SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Monday, January 3, 1994

The Senate of Pakistan met in the old National Assembly Hall (State Bank Building) Islamabad, at five minutes after eleven of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللّٰہ الرحمان الرحیم

و انزلنا الیک ا لکتب بالحق مصدقالما بین یدیہ من الکتب و
مھمینا علیہ فاحکم بینھم بما انزل ا للّٰہ ولا تتبع اھوا ء ھم
عما جا ء ک من الحق لکل جعلنا منکم شرعتہ و منھاجا ط
ولوشاء ا للّٰہ لجعلکم امتہ واحدۃ و لکن لیبلو کم فی ما اتکم
فاستبقوا الخیرت الی اللّٰہ مرجعکم جمیعا فینبکم بما کنتم فیہ
تختلفون ہ

(سورت المائدہ آیت 48)

ترجمہ: اور اے پیغمبر صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو

SENATE OF PAKISTAN

SENATE DEBATES

Monday, January 3, 1994

The Senate of Pakistan met in the old National Assembly Hall (State Bank Building) Islamabad, at five minutes after eleven of the clock in the morning, with Mr. Chairman (Mr. Wasim Sajjad) in the Chair.

Recitation from the Holy Quran

بسم اللّٰه الرحمان الرحيم

و انزلنا اليک ا لکتب بالحق مصدقالما بين يديه من الكتب و
مهمينا عليه فاحكم بينهم بما انزل ا للّٰه ولا تتبع اهوا ء هم
عما جا ء ک من الحق لكل جعلنا منكم شرعته و منهاجا ط
ولوشاء ا للّٰه لجعلكم امته واحدة و لكن ليبلو كم فى ما اتكم
فاستبقوا الخيرت الى اللّٰه مرجعكم جميعا فينبكم بما كنتم فيه
تختلفون ہ

(سورت المائدہ آیت 48)

ترجمہ: اور اے پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ہم نے تم پر سچی کتاب نازل کی ہے جو

اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ اور ان سب پر شامل ہے تو جو حکم خدا نے نازل فرمایا ہے اس کے مطابق ان کا فیصلہ کرنا اور حق جو تمہارے پاس آ چکا ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا۔ ہم نے تم میں سے ہر ایک فرقے کے لئے ایک دستور اور طریقہ مقرر کیا ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو سب کو ایک ہی شریعت پر کر دیتا مگر جو حکم اس نے تم کو دیئے ہیں ان میں وہ تمہاری آزمائش کرنا چاہتا ہے۔ سو نیک کاموں میں جلدی کرو تم سب کو خدا کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ پھر جن باتوں کا اختلاف تھا وہ تم کو بتا دے گا۔

Privilege Motions

(i) Re:Furnishing Incorrect Information by a Minister

Mr. Chairman: Privilege Motion No.7, Mir Abdul Jabbar Sahib.

Mir. Abdul Jabbar: Privilege Motion No.7. Thank you, Sir. I beg to move that my privilege as Member of the Senate and of the whole House has been breached by an incorrect information furnished by the Minister Incharge of the Cabinet Division in reply to starred Question NO. 44 asked by Syed Ihsan Shah, Senator wherein it has been mentioned that contracts for civil work in the Parliament House, Islamabad, have not been awarded as yet.

The press report, appeared in the daily "Jang" and "Nawa-e-Waqt" dated 30th December, 1993, shows that the CDA has already completed the job of the renovation of Senate Hall and offices.

The news report referred to above negates the stand taken by the Law Minister in reply to the above said question on the floor of the House.

I, therefore, move that the motion may be referred to the Committee on Rules of Procedure and Privileges for further action.

Mr. Chairman: Is it being opposed?

Maj. Gen. (Retd.) Naseerullah Khan Babar: After the Session, Mr. Fazal Agha is also going there and Mir Sahib can also accompany us at 3.0' Clock. In the Chamber we were told that no contract had been awarded for the time being and they were doing all the jobs so far departmentally. So, he can go there at 3 O'Clock in the afternoon, and if he is not satisfied and beyond that I have told him, as convener of the Committee about the renovation, I can also include him in that Committee so that all his fears are set aside.

Mr. Chairman: So, would you like to give a statement.

میر عبدالجبار: گزارش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ جو جواب پہلے جناب سید اقبال حیدر صاحب نے دیا تھا اس میں انہوں نے flately refuse کیا تھا- پارلیمنٹ ہاؤس میں سینٹ کا بھی حصہ شامل ہے، وہاں کام ہو رہا ہے، تزئین و آرائش کا کام ہو رہا ہے، renovation بھی ہو رہا ہے اور دیگر کام بھی کئے جا رہے ہیں- اور بذریعہ ٹھیکے دار کئے جا رہے ہیں- میرے پاس ان ٹھیکیداروں کے نام بھی ہیں- میں اس کو اس وقت پریس اس لئے نہیں کروں گا کہ جنرل صاحب نے ارشاد فرما دیا ہے میں اور جناب فضل آغا صاحب دونوں

شام 3 بجے وہاں جائیں گے اور وہاں کام دیکھ کر اگر کوئی ایسی غلط بات نوٹس میں آئی تو دوبارہ ہم ہاؤس میں لائیں گے۔

جناب چیئرمین: Disposed off شکریہ جی جناب عبدالرحمان جمالی صاحب۔

جناب عبدالرحمٰن جمالی: جی یہ جو مائیک کاشور ہو رہا ہے اگر اس کو بند کرا دیا جائے تو بڑی مہربانی ہوگی۔

جناب چیئرمین: یہ پتہ نہیں کیوں ہو رہا ہے ہے سمجھ میں نہیں آ رہا جی جناب فضل آغا صاحب۔

انجینیئر سید محمد فضل آغا: شکریہ جی، میں جناب اس میں پوائنٹ آف آرڈر پر تھوڑی سی وضاحت چاہوں گا کیونکہ کل میرا پوائنٹ آف آرڈر جو تھا وہ below standard quality of work کے متعلق تھا اور میر عبدالجبار صاحب کی تحریک استحقاق یہ ہے کہ Contract Award ہوئے ہیں یا نہیں ہوئے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ شام کی جو میٹنگ ہوگی اور وہاں پر ہم آئیں گے تو اس میں دونوں باتوں پر ایک تو quality of work اور دوسرا یہ کہ award of contracts کا بھی پوچھا جائے گا۔

جناب چیئرمین: بہت شکریہ جی۔

Maj. Gen. (Retd.) Naseerullah Khan Babar: Then I will include them in the renovation committee so that they will be there at the time of the award of contracts, tender opening and everything else.

جناب چیئرمین :حقیقت میں وہ بھی یہ کہہ رہے ہیں کہ So far they have done the work departmentally which means اپنے لوگوں سے جو بھی کام ہو سکتا ہے کروایا ہے۔ تو کوئی میجر سول کنٹریکٹ وہ نہیں دیا۔ So this is what the position appears to be. Now, we proceed with the discussion on the President's Address and I will request Mr. Muhammad Ali Khan to initiate the debate.

FURTHER DISCUSSION ON THE PRESIDENTIAL ADDRESS

جناب محمد علی خان: بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ جناب چیئرمین صاحب -----

جناب چیئرمین: قبل اس کے کہ بحث شروع ہو کیا پروفیسر صاحب، یہ موشن موو ہو چکی ہے؟

پروفیسر خورشید احمد: ہو چکا ہے اور طریقہ کار کے مطابق لیڈر آف دی اپوزیشن بحث کا آغاز کریں گے۔

جناب چیئرمین: ٹھیک ہے، جی جناب ہوتی صاحب۔

جناب محمد علی خان: جناب چیئرمین صاحب! پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کے مشترکہ اجلاس سے قائم مقام صدر مملکت کا خطاب معمول کی ایک جمہوری روایت ہے۔ جس میں حکومت کی عمومی حکمت عملی بیان کی جاتی ہے۔ اس میں مفاہمانہ طرز خطاب بھی ہے اور ناصحانہ انداز بھی۔ جناب والا! یہ اس قسم کی تقریر ہے جو کہ عام طور پر کی جاتی ہے لیکن میں یہ نہیں کہوں گا کہ جس کو سنتے سنتے کان پک جاتے ہیں۔

جناب والا! پچھلے انتخابات کے دوران حکمران پی پی پارٹی کو ایک split0 مینڈیٹ ملا جس کی وجہ سے اس پارٹی نے مرکز اور پنجاب میں جو ہمارا سب سے بڑا صوبہ ہے مخلوط حکومتیں بنائیں۔ بلکہ میں یہ کہوں گا کہ مرکز اور پنجاب دونوں میں وہ مخلوط حکومت بنانے پر مجبور ہوئی۔ موجودہ صورت حال میں موجودہ حکومت، مخلوط حکومت کو مرکز میں اپنے لئے جتنا بڑا اعزاز سمجھتی ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داریاں اس پر عائد ہوتی ہیں سب سے پہلی ذمہ داری جو ہے تو وہ ہے جناب والا! آئین کے تحفظ کی ذمہ داری اور پھر نمبر2 ہے صحت مند جمہوری روایات کو برقرار رکھنا اور ان کو مزید فروغ دینے کی ذمہ داری اور نمبر3 عوامی توقعات کو پورا کرنے کی ذمہ داری اور نمبر 4 سیاست میں خدمت، دیانت، and I repeat دیانت اور اعلیٰ اخلاقیات کی قابل فخر روایات کو جاری کرنے کی ذمہ داری، اب اللہ کرے کہ موجودہ حکومت کو ان بڑی بھاری ذمہ داریوں کا ادراک بھی ہو اور انہیں نبھانے کا ان میں عزم بھی موجود ہو۔ تب جا کر کچھ بات بن سکے گی ورنہ اس ملک کا خدا ہی حافظ۔

جناب والا! ان تمام ذمہ داریوں میں جو ذمہ داری سب سے بڑی ہے اور جو کہ بہت اہمیت کی حامل ہے وہ ہے آئین کا تحفظ اور قانون کی حکمرانی کو یقینی بنانا جب تک کہ ہم آئین کی پاسداری کو اپنے سیاسی عقیدے کا ایک 'جزولاینفک' نہیں سمجھیں گے عوام ان جمہوری روایات کو شکوک کی نگاہ سے دیکھتے رہیں گے اس لئے آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی پر صدر مملکت نے بہت زور دیا اور پھر موجودہ حکومت کو اس آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کے قیام کی تلقین فرمائی۔ جناب والا! ان کا یہ کہنا بھی بہت درست ہے کہ اگر آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی کی روش اختیار کر لی جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ نیا ایوان اپنا مقررہ وقت پورا نہ کرے اور اپنے مقررہ وقت سے پہلے یہ کسی سیاسی بحران کا شکار ہو جائے۔ صدر مملکت نے اپنی تقریر میں اسمبلی کے بار بار ٹوٹنے پر تاسف کا اظہار بھی کیا لیکن ان حالات اور ان واقعات کو بیان کرنے سے یکسر دریغ کیا جن کی وجہ سے وطن عزیز میں دو دفعہ مسلم لیگ کی حکومت کو ناجائز طور پر توڑا گیا۔

جناب والا! انہوں نے اراکین سے کہا کہ آپ اپنے اندر ایسا جذبہ پیدا کریں اور اس ایوان کے وقار میں اضافہ کرنے کی کوشش کریں تاکہ کوئی اس کی قسمت سے دوبارہ نہ کھیل سکے یعنی الفاظ دیگر جو مطلب میں سمجھا ہوں وہ یہ ہے کہ اے حکمرانوں اس قوم کی تقدیر سے کھیلنا بند کر دو تاکہ کوئی طالع آزما تمہاری قسمت سے نہ کھیلے۔ جناب والا! اگر پچھلے دور میں اپوزیشن والے ایوان صدر کو مرکزی حکومت اور صوبائی حکومتوں کے خلاف ایک سازشی اڈہ میں تبدیل نہ کرتے، اور عدالتی فیصلے کو ایک پروقار طریقہ سے تسلیم کرتے تو یقیناً آج ملک میں تعمیر و ترقی کے جتنے بھی کام تھے وہ چلتے ہوئے نظر آتے اور مسلم لیگ کا جو اقتصادی پروگرام تھا وہ کبھی بھی تشنہ تکمیل نہ رہتا۔

اسی طرح اگر حکومت وقت قانون کی حکمرانی کی طرف توجہ نہ دے اور اس میں کوئی کوتاہی کرے تو یقیناً عوام کا جو اعتماد جمہوریت پر ہے وہ متزلزل ہو جائے گا جس کا بہت ہی بڑا نقصان ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس ضمن میں عرض ہے کہ جو حالات آج کل عدالتوں کے ہیں وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ جناب والا! مقدمات سالہا سال تک چلتے رہتے ہیں اور ان کا کوئی فیصلہ نہیں ہوتا اور جب خدا خدا کر کے اگر فیصلہ ہو بھی جائے تو پھر ان کی execution میں مزید مدت گزر جاتی ہے اس لئے اس کے بارے میں عوام یہ کہتے ہیں کہ جو مقدمہ جیتا وہ ہارا اور جو ہارا وہ مرا۔ یہ اس لئے کہ اس میں غیر ضروری اور غیر معمولی تاخیر کی جاتی ہے اس تاخیر کی وجہ سے وہاں تباہی پھیل جاتی ہے۔ لہذا اس واسطے یہ کہا جاتا ہے کہ Justice delayed is justice denied جناب والا! صدر پاکستان کا خطاب نہ صرف اراکین مجلس شوریٰ کے لئے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ پوری قوم کے لئے اپنے اندر نہایت ہی گہرے غور و خوض کا سامان رکھتا ہے۔ ان کے خطاب نے ایک طرف تو ان ذمہ داریوں کی نشاندہی کی ہے جو کہ حکومت وقت پر عائد ہوتی ہیں تو دوسری طرف اپوزیشن کو بھی یہ تلقین کی ہے کہ آپ تعمیر و ترقی کے کاموں میں حکومت سے بھرپور قسم کا تعاون کریں۔

جناب والا! اس بات کا ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ ہم حکومت کے ساتھ تعمیر و

ترقی کے کاموں میں باقاعدہ تعاون کریں گے اور اس کا بین ثبوت ہمارے لیڈر نواز شریف صاحب کی اس تقریر میں موجود ہے جو انہوں نے اسمبلی کے پہلے اجلاس میں فرمائی تھی اور جس کی صدر مملکت نے اپنے خطاب میں بھی بجا طور پر تعریف فرمائی ہے۔ جناب والا! صدر مملکت کی یہ بات بالکل درست ہے کہ قوم عموماً نئی حکومت سے بہت سی توقعات وابستہ کئے ہوئے ہوتی ہے اور پاکستان کے عوام آج کل محاذ آرائی، اکھاڑ پچھاڑ اور سیاسی عدم استحکام سے یکسر تنگ آ چکے ہیں اور ان کی یہ خواہش ہے کہ امن و سکون کے ماحول میں ملک کے ترقیاتی کاموں پر بھرپور توجہ دی جائے۔ جملہ سیاسی جماعتوں کو یہ حقیقت فراموش نہیں کرنی چاہیئے کہ اس سیاسی کشمکش اور ناجائز آپس کی جو کشمکش ہے اور ناجائز قانونی حرکتوں سے لوگ بیزار ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا لیکن بدقسمتی سے حکمران جماعت میں آج کل جو پھوٹ پڑی ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی خاندانی محاذ آرائی نہیں ہے، یہ ماں اور بیٹی کی لڑائی نہیں ہے، یہ بہن اور بھائی کی لڑائی نہیں ہے، اس کا اثر بد یقیناً وطن عزیز پر پڑنے والا ہے۔ قائم مقام صدر نے حکومت اور اپوزیشن کو رسہ کشی سے گریز کرنے اور محاذ آرائیوں سے اجتناب کرنے کی جو تلقین کی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ پاکستانی قوم کے دل کی آواز ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر یہ رسہ کشی جاری رہی تو اس کا اثر یقیناً پھر ملک کی تعمیر و ترقی پر ہو گا۔ کوئی کام نہیں ہو سکے گا اور سیاسی اداروں پر سے عوام کا اعتماد جو ہے وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ اور لوگوں کے اندر جمہوریت کے خلاف بھی ردعمل ابھرنے کا امکان ہے جس طرح کہ جناب والا! پچھلے انتخابات میں جنرل آصف نواز مرحوم کی موت کو غلط رنگ دیا گیا تھا تاکہ اس کا اثر بد مسلم لیگ کے امیدواروں پر پڑے اور مسلم لیگ کی جو ہائی کمان ہے وہ ایک پریشر تلے دبی رہے۔ جناب والا! یہ چیز انتخابات سے قبل شروع ہوئی تھی اور پچھلے دور میں اپوزیشن اور سابقہ صدر نے اسے ختم نہ ہونے دیا۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان چہروں کو بے نقاب کیا جائے جنہوں نے جنرل آصف نواز مرحوم کی موت کو غلط رنگ دیا یا دینے کی کوشش کی، اور جناب والا! ان عناصر کا پتہ چلانا اس لئے بھی ضروری ہے کہ آئندہ کے لئے کوئی ایسی جرات نہ کر سکے۔ جناب والا! اب ان سب چیزوں کا انحصار حکومت وقت کے رویے پر ہے اگر وہ کھیل کے آداب کا احترام اور لحاظ نہ کرے تو پھر مزید مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور اس کے ساتھ عوام جو ہیں تو وہ

بھی اس حکومت کو اپنی حمایت کا کسی حالت میں مستحق نہیں سمجھیں گے۔

جناب والا! قائم مقام صدر نے یہ بھی بالکل درست فرمایا ہے کہ ترقی کی دوڑ میں پاکستان بہت سے ملکوں سے پیچھے رہ گیا ہے اس کے لئے بھی اب ہم نے کچھ کام کرنا ہے اور اس کے لئے پروگرام مرتب کرنا ہے تاکہ جتنے بھی جو ہمارے نقصانات ہوئے ہیں ان کی تلافی کی جائے۔ کاش موجودہ حکومت کو اس کا احساس ہو اور اب سے شروع ہونے والے تجربے کو کامیاب بنانے میں اگر وہ کوئی کوشش کرے اور اس میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے تاکہ ملک کی تعمیر و ترقی کا جو سلسلہ شروع ہوا ہے اس میں رکاوٹ نہ پڑے۔ میں حکومت پر یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اقوام کو سنبھلنے کا بار بار موقع نہیں دیتا اور جو قوم سنہری مواقع گنوانے کی عادی مجرم بن جائے پھر اس کی مہلت بھی بہت جلدی ختم کر دی جاتی ہے۔ قائم مقام صدر نے بجا طور پر پارلیمنٹ سے یہ توقع ظاہر کی کہ اس کے اراکین جمہوریت کو پروان چڑھانے کے لئے کوششیں کرتے رہیں گے اور ان کی جتنی بھی توجہ اور توانائیاں ہیں وہ ایک دوسرے کو ناکام بنانے میں صرف نہیں ہوں گی بلکہ وہ ملک کی تعمیر و ترقی میں کوشش کرتے رہیں گے۔ لیکن جناب والا! جس طرح کہ آج کل حکمران ٹولہ سندھ اور پنجاب میں ایک منتقمانہ جذبے کے ساتھ اپنے مخالفین کے ساتھ جو کچھ کر رہا ہے۔ دنیا میں سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہے اور ان بے چاروں کی کوئی شنوائی آج تک ہوئی نہیں ہے۔ اس ضمن میں اس دن اس ہاؤس میں جناب اعجاز علی جتوئی صاحب نے جو دکھڑا بیان کیا اور جو attack ان کے گھر پر ہوا ہے اس چیز کو سن کر لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج ان کے گھر پر ہوا کل میرے گھر پر ہو گا۔ اور پرسوں کسی اور کے گھر پر ہو گا اور یہ سب کچھ ایک حکمران پارٹی کی قیادت میں ہو رہا ہے۔ لیکن جناب والا! ظلم کے دن بہت تھوڑے ہوتے ہیں انشاء اللہ تعالیٰ وہ وقت بھی گزر جائے گا۔

جناب والا! ان کے خطاب میں اراکین پارلیمنٹ یعنی حکومت اور اپوزیشن دونوں کے لئے جو پندونصائح موجود ہیں ان کی افادیت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ماضی کے ناخوشگوار تجربات سے کسی کو انکار کرنے کی مجال ہے لیکن اب ہر شخص کو یہ احساس ہوگیا

ہے کہ یہ کام مزید جاری نہ رکھا جائے۔ جناب والا! صدر مملکت نے بڑے کھلے دل سے اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اگر آئین کو نئے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اس میں مزید کوئی ترامیم کی ضرورت ہو تو اس کا باقاعدہ اہتمام کیا جانا چاہیئے اور حکومت وقت اور اپوزیشن دونوں کو مل کر ان مجوزہ اصلاحات اور ترامیم کا تعین کرنا چاہیئے۔ جناب والا! بہت افسوس کی بات ہے کہ حکومت نے اپوزیشن کو اعتماد میں لئے بغیر اس ضمن میں کارروائی شروع کر دی ہے ایک کمیٹی بنائی ہے اس کی باقاعدہ میٹنگز ہوئی ہیں اور افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ممبران پارلیمنٹ کے علاوہ باہر کے لوگوں کو بھی اس میں انہوں نے شامل کیا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس کا اثربد یقیناً یعنی الٹا اثر حکومت پر پڑنے والا ہے۔ چاہیئے تھا کہ وہ اس ضمن میں اپوزیشن کو ساتھ لیتے تب جا کر کوئی بات بن سکتی تھی۔

جناب والا! یہ اس لئے کہ ان حکمرانوں کے قول و فعل میں بے پناہ تضاد ہے۔ ہاؤس کے فلور پر ایک بات کرتے ہیں اور کرتے اس کے بالکل برعکس ہیں اس لئے کوئی بھی صائب الرائے فرد ان کے کہنے میں نہیں آتا اور نہ کوئی ان کے کہنے پر اعتبار کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی ایسا کرے بھی تو وہ احمقوں کی جنت میں بسنے والا ہو گا۔ جناب والا! قائمقام صدر نے اپوزیشن اور حکومت کو آپس میں بیٹھ کر جس طرح کہ خوشگوار ماحول میں بہتر قابل عمل توقعات و تعلقات کار کی تشکیل پر زور دیا۔ اسی طرح انہوں نے صوبوں اور مرکز میں بھی سیاسی فضا پیدا کرنے کے لئے بات کی کہ یہ بہت ضروری ہے کہ صوبوں اور مرکز میں ہم آہنگی ہو اور دونوں وفاقیت کے تقاضوں کا باقاعدہ احترام کریں۔

جناب والا! اگر مرکز صوبوں کو ان کا جائز مقام دے اور ان کے ہاں دخل اندازی کرنا چھوڑ دے۔ صوبوں میں جو حکومتیں ان کی مخالف ہیں، مخالف سیاسی حکومتیں، ان کو destabilize کرنے کی کاوشیں چھوڑ دے تو یقیناً صوبے بھی مرکز کو اس کا صحیح مقام دینے میں کسی قسم کا تامل نہیں کریں گے۔

جناب والا! وفاق میں مرکز کی جو حیثیت ہے وہ ایک چھت کی ہوتی ہے اور صوبوں

کی جو حیثیت ہے وہ ان ستونوں کی ہوتی ہے جس پر کہ وہ چھت قائم ہوتی ہے، ہمارے ہاں جناب والا! صورت حال یہ ہے کہ مرکز اور چاروں صوبوں میں ایک پارٹی کی حکومت نہیں ہے۔ صرف صوبہ سندھ میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہے لیکن بلوچستان اور صوبہ سرحد میں مسلم لیگ اور ان کے associates کی حکومتیں قائم ہیں۔ صرف پنجاب میں موجودہ حکمران پارٹی نے مسلم لیگ کے ایک دھڑے کو اپنے ساتھ شامل کر کے وہاں حکومت تو بنا لی ہے لیکن سب لوگ جانتے ہیں کہ اس کا جو مستقبل ہے وہ درخشاں کسی کو بھی نظر نہیں آ رہا کیونکہ ایک وزیراعلیٰ کی جگہ جناب والا! وہاں دو وزرائے اعلیٰ ہیں۔ ایک نام نہاد وزیراعلیٰ اور دوسرا اس کا نگران اعلیٰ۔ جو میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کے لئے ایک بہت برا شگون ہے اور اس صوبائی خودمختاری میں دخل اندازی کا ایک نیا طریقہ ایجاد کیا گیا ہے۔ اگر مرکزی حکومت آئین کے دائرے میں رہ کر اپنی ذمہ داریاں پوری کرے اور صوبوں میں غیرضروری دخل اندازی سے گریز کرے تو جہاں ان کی سیاسی مخالفین کی حکومتیں ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ جمہوری روایت کو مستحکم کرنے کا یہ ایک بہترین طریقہ ہو گا۔

اب افسوس کی بات ہے کہ آج کل واپڈا کی privatization کی باتیں ہو رہی ہیں جو کہ حکومت صوبہ سرحد کو بالکل قبول نہیں ہیں۔ جناب والا! چاہیئے تو یہ تھا کہ مرکز ہماری صوبائی حکوت کو اعتماد میں لیتا ان سے اس ضمن میں بات چیت کرتی اور جب ان کی جتنی بھی مشکلات ہیں وہ ختم ہو جاتیں اور وہ اعتماد میں لے لئے جاتے، تو پھر واپڈا کی privatization کی باتیں کرتے۔ اس طرح پرمٹوں کے اجراء کو بھی انہوں نے اپنی تحویل میں لے لیا ہے جو کہ میں سمجھتا ہوں کہ صوبائی خودمختاری میں یہ ایک بدترین اور بے جا قسم کی دخل اندازی ہے، نہ صرف یہ بلکہ آئین کی خلاف ورزی بھی ہے۔

جناب والا! یہ بات انگریزوں کے زمانے سے چلی آ رہی تھی کہ وہاں کا جو ہوم سیکرٹری ہوتا تھا وہ پرمٹوں کا جراء کیا کرتا تھا نہ کہ مرکزی حکومت اور آج تک مرکزی حکومت نے یہ بات نہیں کی۔ اگر بفرض محال وہاں صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کی حکومت ہوتی تو یقیناً یہ کام نہ کرتے۔ بہرحال جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس کے خلاف حکومت صوبہ

سرحد جو بھی قدم اٹھائے گی۔ ہمارے جتنے بھی یہاں سرحد کے سینیٹرز حضرات بیٹھے ہیں، میں سب سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ اپنی حکومت کا ساتھ دیں گے۔

جناب والا! اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ واقعی مرکزی حکومت ان تمام چیزوں کی پاسداری کرتی ہے یا وہ اپنے پرانے واقعات کو دہرانا چاہتی ہے جس کی وجہ سے صوبہ سرحد اور بلوچستان میں ایک زمانے میں حکومتیں ختم کر دی گئی تھیں اور پی پی پی کی حکومتیں قائم کر دی گئیں تھیں۔ جناب والا! بری عادت بہت بری شے ہے۔ جس سے خلاصی ناممکنات میں سے ہے لیکن اس کے نتائج بھی نہایت خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں۔ رحمان بابا نے اس ضمن میں کہا ہے کہ خداوند تعالیٰ کسی کو بھی بری عادت میں نہ ڈالے کیونکہ اس سے پھر جان خلاصی ناممکنات میں سے ہے۔

جناب والا! قائمقام صدر نے اپنے خطاب میں وزیراعظم کی قوم سے جو کہی گئی باتیں تھیں ان کی طرف بھی اشارہ فرمایا اور یہ کہا کہ موجودہ حکومت اصلاحات کی حکوت ہے۔ تو اب ہم اس ملک میں ان اصلاحات کے منتظر ہیں۔ جناب والا! حکومت نے اصلاحات کے جس پروگرام پر عملدرآمد کرنے کا اظہار کیا ہے وہ اس کے منشور کا ایک حصہ ہے اور منشور کی حیثیت زبانی جمع خرچ کی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی قوم اور رائے دہندگان سے وعدہ کرتی ہے کہ اگر ہمیں کامیابی حاصل ہو گی تو ہم قوم کے لئے یہ کریں گے ہم قوم کے لئے وہ کریں گے۔

جناب والا! جمہوری نظام کی کامیابی کی یہ شرط اولین ہے کہ جو وعدے قوم کے ساتھ کئے جائیں انہیں پورا کیا جائے اور حکومت ان باتوں کو کبھی بھی فراموش نہ کرے۔ جناب والا! ہر پارٹی کے منشور پر لوگ اس وقت یقین کرتے ہیں جب وہ اپنے موقف پر قائم رہے۔ اس ضمن میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ ایک زمانے میں اسی پارٹی نے عوام کو تین نعرے دیئے۔ روٹی، کپڑا اور مکان۔ اس کی وجہ سے لوگوں نے انہیں ووٹ دیئے تھے لیکن افسوس کہ بعد میں وہ سارے نعرے کھوکھلے نکلے اور اس طرح اس کا کوئی نتیجہ آج تک نہیں نکلا بلکہ لوگ کہتے ہیں کہ کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا۔ جناب والا! ویسے تو ہم غریبوں کے ساتھ

بہت محبت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی خدمت کی باتیں بہت کرتے ہیں لیکن آج کل پاکستان کے غریب عوام اور خاص کر دیہات کے باشندے زندگی کی ان سب بنیادی سہولتوں کو بے چارے ترس رہے ہیں لیکن کسی فرد بشر کو موجودہ حکومت سے یہ توقع ہی نہیں کہ وہ ایسے منصوبے بنائے جس سے براہ راست عوام کو فائدہ پہنچے۔

جناب والا! اس ضمن میں سب سے مقدم بات ملک میں امن و امان کا مسئلہ ہے جو نہ صرف جمہوریت کے پروان کے چڑھنے کے لئے بہت ضروری ہے بلکہ ملک میں اقتصادی حالات کو بہتر بنانے کے لئے بھی یہ نہایت ہی ضروری چیز ہے۔ بدقسمتی سے امن و امان کا مسئلہ یقیناً غور طلب ہے۔ سندھ میں آج کل جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ جناب والا! جو کہ پچھلے انتخابات کے ضمن میں پنجاب میں ہوا وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ لیڈر آف دی اپوزیشن میاں محمد نواز شریف پر بھی قاتلانہ حملے سے دریغ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح اگر پنجاب کے نگران اعلیٰ کو کوئی دقت محسوس ہوئی تو میں سمجھتا ہوں کہ اس کی تمام تر ذمہ داری پنجاب کی حکومت پر ہے۔ اگر بفرض محال محبوس اور مقید نام نہاد وزیراعلیٰ پنجاب کے بس کی بات نہیں تھی تو یقیناً یہ نگران اعلیٰ کے بس کی بات تھی، تا کہ وہ اس کے لئے باقاعدہ انتظام کرتا اور یہ ساری ذمہ داری اس پر عائدہ ہوتی ہے۔ لہٰذا اس بارے میں اس پارٹی کے جیالے مزید شور غوغا برپا کرنے کی کوشش نہ کریں یہ تو صرف جناب والا! پنجاب میں ابتداء ہوئی ہے آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔

اسی طرح حکومت کو بدنظمی اور رشوت جیسے امراض کا بھی سامنا ہے۔ جس کے لئے سرے سے ان کے پاس کوئی پروگرام ہی نہیں ہے بلکہ جناب والا! جو ہارس ٹریڈنگ حکومت بناتے وقت اور اس کے بعد انتخابات میں ہوئی اس سے میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں۔ کیونکہ رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں جہنمی ہیں اس ضمن میں فی الحال مزید کوئی بات نہیں کروں گا۔

جناب والا! ملکی معیشت کے بارے میں صدر پاکستان نے کافی کچھ کہا کہ ہمیں اس

ضمن میں بہت سے مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور ہماری معیشت جو ہے وہ دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے۔ جبکہ ہمارے ارد گرد کے ملک اس کے بارے میں سوچ رہے ہیں اور انہوں نے ایسے انتظامات کر لئے ہیں جس کی وجہ سے ان کی حالت بہتر ہونی شروع ہو گئی ہے لیکن بدقسمتی سے ہم نے ان کے مقابلے میں کرنسی نوٹ چھاپنے کا تہیہ کر لیا ہے اور موجودہ حکومت نے تباہ حال معیشت کو مزید تباہ کرنے کی خاطر تخمیناً 5 ارب روپے کے نوٹ چھاپ دیئے ہیں۔ جس کے پیچھے سونے کا کوئی وہ نہیں ہے یعنی یوں سمجھیں کہ جعلی کرنسی ہے اور خدانخواستہ یہ جعلی کرنسی مارکیٹ میں آ جائے تو ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بھکاری بھی جناب والا! دس روپے لینے سے انکاری ہو گا۔

جناب والا! صدر مملکت کے کہنے کے مطابق موجودہ حکوت ایک جامع اقتصادی پالیسی مرتب کر رہی ہے جو کہ اقتصادی آزادی اور مستحکم مالیاتی frame work کی ضامن ہو گی۔ اس ضمن میں انہوں نے چند شعبوں میں اصلاحات کی نشاندہی بھی کی ہے نمبر 1 تجارت پر عائد پابندی کو نرم کرنا، نمبر 2 نجی شعبہ کو مزید وسعت دینا، نمبر 3 افراطِ زر پر قابو پانا، نمبر 4 بے روزگاری کا خاتمہ، نمبر 5 سود کی شرح کو گھٹانا، نمبر 6 سرکاری اخراجات میں کفایت شعاری سے کام لینا اور نمبر 7 ٹیکس کے نظام کو ازسرِنو درست کرنا اور نمبر 8 صنعتی ترقی کو تیز تر کرنے کی خاطر پانی بجلی اور توانائی کے شعبوں کو ترقی دینا اور نمبر 9 آخر میں کچھ تھوڑا بہت زراعت کے بارے میں بھی فرمایا گیا کہ اس بارے میں نئی زرعی پالیسی مرتب کی جائے گی حالانکہ ہم نے جو زرعی پالیسی بنائی ہے پہلی والی زرعی پالیسی پر آج تک کسی نے مکمل طور پر عملدرآمد کیا ہی نہیں ہے اور افراط زر پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے جبکہ حکومت اندھا دھند کرنسی نوٹ چھاپنے میں مشغول ہو۔

جناب والا! البتہ سود کی شرح کو گھٹانے کے بارے میں یقیناً حکومت نے ان علماء کرام سے مشورہ لیا ہو گا جو کہ ان کا ساتھ دے رہے ہیں اور عنقریب ان کی حکومت میں شمولیت بھی کریں گے۔ اب تو ماشاء اللہ اسلامی نظریاتی کونسل کی تشکیل نو بھی کر دی گئی ہے شاید وہاں سے سود کی "حلت" کا کوئی فتویٰ ان کو ملا ہو۔ اب عوام ان کے 9 نکات

کے حشر کے منتظر ہیں کہ اس کا کیا ہو گا۔

جناب والا! زراعت کے سلسلے میں سب سے آخر میں ذکر کرنا میں سمجھتا ہوں اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ حکومت کو زراعت سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے حالانکہ زراعت ہماری معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتی ہے ملک کی 75 فیصد آبادی کا انحصار directly یا indirectly زراعت پر ہے اس کے برعکس 25 فیصد آبادی شہروں میں رہتی ہے جن کو اس 75 فیصد مفلوک الحال آبادی کے مقابلے میں زندگی کی تمام سہولتیں اور مطلوبہ آسائشیں کسی نہ کسی صورت میں مہیا ہیں اگر پکی سڑکیں ہیں تو شہروں میں، بجلی ہے تو شہروں میں، گیس ہے تو شہروں میں، سکول کالج اور ہسپتال ہیں تو جناب والا! شہروں میں اسی طرح بازار، کلبوں اور لائبریروں وغیرہ کے علاوہ دیگر سہولیات سب شہروں میں ہیں۔ جبکہ کچے راستے، مٹی کے دیئے اور گھاس پھوس سے جلنے والے چولہے، ایک یا دو دکانیں اور عام طور پر ایک semi-literate امام، یہ دیہاتوں کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے۔ جناب والا! اگر بفرض محال ایئرکنڈیشنڈ بنگلوں میں رہنے والے، ائیرکنڈیشنڈ دفاتر میں کام کرنے والے چند گھنٹوں کے لئے کسی گاؤں کا رخ کریں تو یہ کہتے ہوئے فی الفور وہاں سے واپس بھاگنے کی کوشش کریں گے کہ Damn it, all these people are still living in biblical times. Sir, I am sorry, if damn it all is unparliamentary then I will say Oh! my God these people are still living in biblical times.

جناب والا! لیکن ان زعماء کے پاس ان کے لئے حالات کو بدلنے کے لئے وقت تک نہیں ہے اگر یہ صاحب لوگ وہاں فقط ایک رات بھی بسر کریں تو جناب والا! رات کو مچھروں کی یلغار کی وجہ سے یہ نہ سو سکیں گے اور نہ ان کو morbletiled باتھ روم کہیں میسر ہوں گے۔ لہٰذا یہ لوگ وہاں جانے سے کتراتے ہیں۔ جناب والا! جوں جوں ملک ترقی کرتا ہے یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ شہر کے اندر جو لوگ بستے ہیں وہ ترقی کرتے ہیں ان میں اور دیہاتیوں میں جو بُعد ہے وہ اور بھی زیادہ ہوتا جا رہا ہے بلکہ مجھے یہ خوف ہے کہ ایک وقت آنے والا ہے جب ملک میں جناب والا! دو کلچر ہوں گے ایک اسلامی اور پاکستانی کلچر جو کہ دیہات

میں ہو گا اور ایک secular اور completely westernized شہروں کا ہو گا جو کہ وطن عزیز کے لئے نہایت ہی خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔

اب جناب والا! میں کاشتکاروں کی حالت زار کی طرف آتا ہوں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ وہاں دیہی آبادی میں تعلیم نہ ہونے کے برابر ہے وہاں کوئی تنظیم نہیں ہے جس طرح کہ تاجروں کی یا کارخانہ داروں کی تنظیمیں ہیں اور نہ ان کی کوئی آواز ہے کہ کسی تک اپنی فریاد کو پہنچا سکیں۔

جناب والا! ان کے سال بھر کی مشقت کی کمائی کچھ تو دکاندار ہڑپ کر لیتے ہیں اور کچھ briefless lawyers لے لیتے ہیں یعنی ضمانت کے لئے بھی وہ غریبوں سے 6 ، 7 ہزار روپے وصول کرتے ہیں لہٰذا یہ لوگ اپنے ایام زندگی فاقوں میں گزارتے ہیں اور فاقوں میں کیوں نہ گزاریں جبکہ بابائے زراعت ملک خدا بخش بچہ کے قول کے مطابق کاشتکاروں کے جتنے بھی کارخانے ہیں وہ بغیر چھت کے ہیں۔ اس لئے وہ عموماً جملہ ارضی و سماوی آفات و بلیات کی زد میں آتے ہیں اور جس سال یہ آفات و بلیات حد سے زیادہ تجاوز کر جاتے ہیں تو جناب والا! پھر یقین جانئے کاشتکار کو بحال ہونے میں کم از کم دس سال لگتے ہیں لیکن یہ سب کچھ وہ خاموشی سے برداشت کرتا ہے اور اسی حالت میں امن کے زمانے میں وہ ملک کے لئے خوراک کا انتظام کرتا ہے اگر وہ فصلیں نہ اگائیں تو لوگ کیا کھائیں۔ اگر cotton کاشت نہ کریں تو لوگ کیا پہنیں اور اگر وہ مویشی نہ پالیں تو جناب والا! پھر گوشت، دودھ، اون اور کھالیں وغیرہ کہاں سے آئیں گی اور جناب والا! بحالت جنگ یہی لوگ جو کہ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں وہ اپنی سرحدات کی حفاظت کرتے ہوئے شہید ہو جاتے ہیں۔ وہ اس لئے یہ عظیم قربانی دیتے ہیں کہ they are the real sons of the soil اور یہ اس لئے بھی قربانی دیتے ہیں کہ ان کی بیویاں بیچاری جوانی میں بیوہ ہو جاتی ہیں اور ان کے بچے یتیم ہو جاتے ہیں یہ قربانی وہ اس لئے کرتے ہیں کہ شہروں میں سرمایہ داروں کی بیویاں بیوہ نہ ہوں اور شہروں میں ان سرمایہ داروں کے بچے یتیم نہ ہوں۔

جناب والا! کاشتکار کی روزمرہ زندگی اور ان کی قربانیاں میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی ہیں- لیکن جو raw deal ان کے ساتھ ہو رہا ہے وہ بھی ذرا سنیے ان کی in-put کی قیمتیں جناب والا! ڈالر کے ساتھ وابستہ ہیں جو ایک زمانے میں چار روپے چھ آنے سے بڑھ کر آج 31 روپے تک پہنچ گیا ہے اور اس کے خلاف ان کی out-put کی جو قیمتیں ہیں ان کا حکومت ملک کے 25 فیصد تعلیم یافتہ اور منظم آبادی کی مشکلات کو دیکھ کر تعین کرتی ہے اور قیمتیں مقرر کی جاتی ہیں جو کہ نہ ہونے کے برابر ہوتی ہیں- اور 75 فیصدی آبادی کے ارمانوں پر پانی پھیر دیا جاتا ہے- اور صرف ریڈیو، جناب والا! اور ٹی وی پر ان کو یہ کہا جاتا ہے کہ "دانے اور اگا کسانا دانے اور اگا" لیکن جناب والا! ان کھوکھلے نعروں سے کسی کا پیٹ نہیں پلتا- جو مصنوعی کھاد بازار سے انہیں ملتی ہے تو وہ ان کی قوت خرید سے بالکل نکل چکی ہے اور اس میں بھی بے انتہا mixing ہوتی ہے اور یہی حال insecticides اور pesticides کا ہے وہ بھی مکسنگ سے مبرا نہیں ہیں اور عام طور پر ان کی جو افادیت کا وقت ہے وہ بھی پورا ہو چکا ہوتا ہے لیکن بے تعلیم کاشتکار کو اس کا پتہ تک نہیں ہوتا- اب ان کی قیمتیں بھی آسمان سے باتیں کرنے لگ گئی ہیں- اسی طرح ٹریکٹروں کی قیمتیں بھی دن رات بڑھ رہی ہیں جن کے لئے بے چارے کاشتکار ایگریکلچر ڈیولپمنٹ بنک کا طواف کرتے ہیں لیکن انہیں کسی قسم کا قرضہ نہیں مل رہا- جہاں تک حکومتی اداروں کا تعلق ہے تو جناب والا! وہاں سے بھی ان کو بروقت اور مناسب قیمت پر نہ بیج ملتا ہے اور نہ باغات لگانے کے لئے پھل دار پودے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی توقع بھی کرے تو یہ ناممکنات میں سے ہے- عام طور پر آپ کو پتہ ہے کہ کاشتکار طبقہ سرکاری ملازمین سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے کیونکہ اگر کسی چھوٹے سے چھوٹے گاؤں میں بھی کوئی سرکاری افسر چلا جائے یا کوئی پٹواری چلا جائے یا اس علاقے کا دورہ کرے تو یقین جانیئے دوسرے دن صبح سویرے اس گاؤں میں مرغ کی اذان کی آواز سنائی نہیں دیتی کیونکہ سارے مرغے وہ ہڑپ کر لیتے ہیں-

جناب والا! زراعت کے لئے جو تھوڑی بہت subsidy ملا کرتی تھی وہ بھی ختم کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ ورلڈ بنک اور International Monetary Fund اس لئے

کروا رہا ہے کہ ہم غلہ امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا وغیرہ سے درآمد کریں۔ اب تو ظلم یہ ہے کہ پاکستان سعودی عرب سے گندم درآمد کرتا ہے۔ جو کہ زراعت پیشہ افراد کے لئے ایک چیلنج ہے اور حکومت وقت کے لئے باعث شرم۔ جناب والا! اگر کاشتکار کو گندم کی وہ قیمت ملے جس قیمت پر کہ گندم امپورٹ کی جاتی ہے۔ تو یقیناً پھر اس کی درآمد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اب حکومت کو چاہیئے کہ اس بے بسی سے اپنے آپ کو نکالنے اور اس کا International Monetary Fund ورلڈ بنک کا مقابلہ کرے کیونکہ وزیراعظم اور صدر مملکت دونوں اسی کاشتکار برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔

جناب والا! تاریخ میں ایک چیز آپ نے پڑھی ہوگی کہ ایک زمانے میں مصر میں dual control ہوا کرتا تھا۔ حبیب اسماعیل مصر کا بے انتہا شاہ خرچ انسان واقع ہوا تھا اس نے یورپ میں انگلینڈ اور فرانس کے بینکوں سے بے انتہا قرض لیا۔ اصل زر تو چھوڑیئے سود دینا بھی اس کے بس کی بات نہیں تھی۔ لہذا ان دونوں ممالک نے وہاں اپنے نمائندے بھیجے جو کہ کیبنٹ میٹنگز کو attend کیا کرتے تھے اور مصر کا جو بجٹ بنا کرتا تھا وہ بھی ان دو نمائندوں جو انگلینڈ اور فرانس کے تھے ان کی رہنمائی میں بنا کرتا تھا۔ اسی طرح انہوں نے اپنے پیسے سارے وصول کر لئے۔

جناب والا! حبیب اسماعیل نے تو صرف دو ملکوں سے قرض لیا تھا۔ بدقسمتی سے اپنے ملک کو دیکھئے کہ جس ملک کے ہاں ہم جاتے ہیں، سب سے پہلے اس کے سامنے ہم ہاتھ دراز کرتے ہیں کہ اس میں کچھ دو، چار ٹکے پڑ جائیں۔ دنیا میں کوئی ایسا ملک نہیں رہا جس سے کہ ہم نے قرضہ نہ لیا ہو اور ان قرضہ جات کی وجہ سے ورلڈ بنک اور International Monetary Fund یہاں حکومت کر رہے ہیں اور اس کا بین ثبوت پچھلے دور میں جب 72 منسٹرز کی کابینہ بنائی گئی تھی اس کے لئے بھی ورلڈ بنک کا آدمی حکمرانی کے لئے امریکہ سے پاکستان بھیجا گیا تھا۔ جناب والا! اس سے مزید ہم اس ضمن اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ اب جناب والا! شہری لوگ یہ سوال اٹھائیں گے کہ اگر حالات اور واقعات زراعت کے ایسے ہیں تو پھر یہ زراعت پیشہ لوگ زراعت کو چھوڑتے کیوں نہیں۔ تو جناب والا! عرض یہ ہے کہ اگر زراعت پیشہ لوگوں کو اور کوئی کام کرنا آتا تو یقیناً زراعت کی

طرف توجہ نہ دیتے۔ گاؤں کے جتنے تعلیم یافتہ لوگ جب ریٹائر ہو جاتے ہیں تو وہ شہروں میں آباد ہو جاتے ہیں اور گاؤں سے قطع تعلق کر لیتے ہیں کیونکہ اس ضمن میں ایک انگریز کمشنر نے "پنجاب ایگریکلچر" نامی ایک کتاب میں لکھا کہ دیہی خاندانوں کے جتنے بھی تعلیم یافتہ افراد ہیں وہ زراعت سے دور بھاگتے ہیں کیونکہ یہ ایک non-paying مشغلہ ہے۔

and only a fool of the family goes in for agriculture.

جناب والا! یہ بات آج تک صحیح ہے کہ تاجر کی ایک دن کی آمدنی آٹھ سو یونٹ والے مالک کی ایک فصل کی آمدنی سے زیادہ ہوتی ہے اور یہ سب لوگوں پر عیاں ہے اس ضمن میں جناب والا! میں زرعی آمدنی کا ایک جائزہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ آیئے ذرا ایک ایکڑ گندم کی پیداوار کے مصارف اور آمدنی کا جائزہ لیتے ہیں۔ ایک ایکڑ زمین پر تین گھنٹے ٹریکٹر چلانے کا خرچ 240 روپے، ایک ایکڑ استعمال کے لئے ایک من بیج کی قیمت 150 روپے، یہ اب زیادہ ہو گیا ہے۔ قیمت کھاد ڈی اے پی کھاد یا متبادل ایک بوری کا کم از کم ریٹ 300 روپے یہ 340 روپے ہو گیا ہے، قیمت کھاد یوریا ایک بوری فی ایکڑ 230 روپے، دوسری بارایک بوری 230 ، یہ بھی زیادہ ہو گیا ہے۔ مروجہ مزدوری کٹائی گندم فی ایکڑ 500 روپے، مروجہ گہائی گندم ایک ایکڑ مزدوی 300 روپے۔ تھریشر پر متعین مزدوروں کی مزدوری 150 روپے، 6 ماہ پانی لگانے کے لئے اور ڈیزل برائے ٹیوب ویل وغیرہ کی صورت میں 800 روپے، باربرداری و مزدوری برائے منتقلی فصل 200 روپے، خرچ ٹوٹ پھوٹ اور مرمت مشینری اوسطاً ایکٹر 100 روپے، فی ایکڑ نگرانی مزدوری وغیرہ 50 روپے، منسلک مال مویشی پر خرچ، مختلف مواقع پر امداد، بیگار، روٹی وغیرہ ملتحقی ایکڑ 50 روپے، کل خرچ کاشتی ایکڑ 3300 روپے اور ٹھف متوقع آمدن پیداور 25 من یعنی تازہ اعلان کے مطابق جو قیمت انہوں نے رکھی ہے وہ 3750 روپے ہے۔ اگر 3750 روپے میں سے 3300 روپے نکال لیں تو اس کے مطابق بچت فی ایکڑ ہے کوئی 450 روپے بنتی ہے۔ جناب والا! اس سے جب 1/4 حصہ اس حصہ دار کا جو وہاں کام کرتا ہے نکال لیں تو زمیندار کے حصے میں 337 روپے آ جاتے ہیں۔ تو اگر حساب کتاب کی خاطر جناب والا! اس حساب کے ساتھ اتنی ہی رقم ربیع کی فصل کا آپ جمع کر لیں، عموماً ربیع کے جو اخراجات ہیں وہ زیادہ ہوتے ہیں، آمدن کم ہوتی ہے لیکن پھر

بھی خدا خدا کر کے 800 یونٹ والے مالک کو کل آمدنی 85598 سال کے بنتے ہیں جبکہ 63 procedure index unit ایک ایکڑ کے برابر ہوں جس طرح کہ مردان میں ہیں۔ اگر یہ زیادہ ہوئے تو پھر اتنی acrage کم ہو کر رہ جاتی ہے جس طرح کہ پنجاب کے بعض اضلاع میں ہے۔ لہٰذا وہ آمدنی بھی کم ہو جاتی ہے اس کے برعکس اگر کوئی خود کاشت کرے تو تھوڑی بہت آمدنی زیادہ ہو جاتی ہے لیکن جناب والا! خود کاشت کرنے والے آج کل آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں کیونکہ کوئی مزارع بھی مالک کو کسی صورت میں بھی زمین دینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس پر اگر مبلغ دو روپے فی یونٹ کے حساب سے انکم ٹیکس لگ جائے تو سولہ ہزار روپے بنتے ہیں۔ اور اس کے علاوہ چار ہزار یونٹ کی قیمت پر اگر 200 روپے فی یونٹ کے حساب سے لگائیں تو اس کی قیمت بن جاتی ہے آٹھ لاکھ روپے۔ آٹھ لاکھ پر اڑھائی فیصد ویلتھ ٹیکس اگر لگ جائے تو پھر انکم ٹیکس اور ویلتھ ٹیکس دونوں کی قیمت 36000 روپے بن جاتی ہے۔ جب اس ٹیکس کو مبلغ 85598 سے آپ منہا کر لیں تو مالک کو تخمیناً 49598 روپے سال کے بچ جاتے ہیں جو کہ پچاس ہزار سے بھی کم ہیں اور وہ بھی اس وقت جب زمیندار آفات ارضی اور سماوی سے بچا ہوا ہو۔ اس کا جو حصہ دار کاشتکار ہے اس کو اس کی غیر حاضری میں اس کا پورا حصہ دے۔ حالانکہ آج تک کسی مالک کو کسی کاشتکار نے اس کا پورا حصہ دیا نہیں ہے۔ اور یہ سب کچھ بقایا جات کے کھاتے میں چلا جاتا ہے جو کہ دن بدن بڑھتا رہتا ہے۔ اور اجارے کی صورت میں تو بعض ایسے لوگ بھی مجھے معلوم ہیں جن کو ایک پائی بھی نہیں ملی۔ اور جناب والا! آج کل بیوہ اور یتیم مالکان کا جو حال ہے وہ قابل رحم ہے۔ جناب والا! اب وہ مالکان کے ساتھ ساتھ باقاعدہ مقدمات چلاتے رہے ہیں اور ان مقدمات کا آج تک کوئی خاطر خواہ فیصلہ نہیں ہوا۔ جناب والا! یہ چیز اس پارٹی کے پہلے دور سے ہوئی اور وہ جو ان کی باقیات السیات ہیں وہ آج تک چلی آ رہی ہیں۔

جناب والا! ان مجوزہ ٹیکسوں کے علاوہ حکومت عشر بھی وصول کرتی ہے اور نمبر 2 اس کے ساتھ آبیانہ جو 1959ء سے لے کر اپریل 1993ء تک سات سو گنا زیادہ کر دیا گیا ہے وہ بھی وصول ہوتا ہے۔ پھر نمبر 3 لوکل ٹیکس ، نمبر 4 جدید لوکل

ٹیکس ریٹ، نمبر 5 ترقی ٹیکس، نمبر 6 باغ ٹیکس، نمبر 7 محصول ٹیکس، نمبر 8 درآمد اور برآمد ٹیکس اور دیگر کئی اقسام کے ٹیکسز ہیں، جو فی الحال مجھے یاد نہیں، جو کہ کاشتکار دے رہے ہیں اور کاشتکار بیچارے ٹیکس دے دے کر عاجز آ گئے ہیں۔ جناب والا ! ڈاکٹر محبوب الحق نے ایک دفعہ کہا تھا کہ ہم نے اپنی غربت کو دیہات میں چھپا رکھا ہے۔ اب ان غربت اور افلاس کے مارے کاشتکاروں پر، جناب والا ! حکومت نے زرعی ماہرین کے مشورے کے بغیر یہ جو زرعی ٹیکس کا اعلان کر دیا ہے اس سے بھی ان کی بات سن کر ہی کمر اور ٹوٹ گئی ہے۔ جناب والا! آج کا زمیندار بنک بیلنس کی جگہ قرضوں کی بڑی لمبی فہرست جیب میں رکھتا ہے۔ مانگنے والوں کے بڑھے ہوئے ہاتھ اور اس کاشتکار کی خالی جھولی۔ یہ ہمارے کاشتکار، زمینداروں کی مجموعی حالت زار ہے اور اس پر زرعی ٹیکس الامان۔ مثل ہے کہ گنجی دھوئے کیا اور نچوڑے کیا۔ خالی جیب اور قرضوں کے بوجھ تلے دبے اس سفیدپوش طبقے کی حالت وارث شاہ کے اس بھولے کامے کی سی ہے جو ہیر کی بھینس چراتا رہا اور کھیڑے ڈولی لے گئے۔ جناب والا! آج کل ہمارا کاشتکار عرف زمیندار دیانتداری، خلوص اور بے خبری کے بیلے میں رزق حلال کی بھینس چرا رہا ہے اور اسلام آباد والے اس کی سچائی، دیانتداری اور خلوص کی ڈولی لے گئے اور اس بیچارے کو پتہ ہی نہیں کہ میرے ساتھ کیا ہوا ہے۔

اب بات آتی ہے شریعت کی تو جناب والا ! جو زمینیں خراجی ہوں تو حکومت اس پر ہر قسم کا ٹیکس لگا سکتی ہے کیونکہ وہ مفتوحہ علاقے ہوتے ہیں اور ان اراضی پر جو بھی حکومت چاہے وہ لگا سکتی ہے لیکن جناب والا! سرحد اور بلوچستان کی زمینیں خراجی نہیں ہیں۔ وہ عشری ہیں یہ علاقہ جات ہم نے اسلام قبول کرنے سے پہلے فتح کر لئے تھے اور پھر ان علاقوں کو ہم نے آپس کے قبائل میں باقاعدہ تقسیم کر دیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے زمانے میں پختونوں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا۔ جناب والا دنیا میں صرف دو قوموں نے من حیث القوم اسلام قبول کیا-- ایک ہیں پختون اور دوسرے ترک اور دونوں حنفی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔ جناب والا! ہماری زمینیں عشری ہیں اور جن اراضیات پر ایک دفعہ عشر لگ جائے تو اس پر کوئی دوسرا ٹیکس

نہیں لگ سکتا اور اگر اس پر کوئی اور ٹیکس لگانے کی کوشش بھی کرے گا تو انشاءاللہ ہم آخر دم تک لڑیں گے اور اس کے لئے ہم سپریم کورٹ تک جانے کے لئے تیار ہیں کیونکہ ہم کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہماری تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کرے۔ جناب والا! اس ضمن میں ہم نے کئی حکمرانوں کے ساتھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ ان حکمرانوں کی اطاعت ہم نے کی جو کہ انگریز سے پہلے اس برصغیر پر حکمران تھے جب وہ مسلمان تھے تو ہم عشر دیا کرتے تھے اور جب اکبر نے دین اسلام کو چھوڑا اور نیا دین اس نے شروع کیا اور وہ مرتد ہوگیا تو اس کے خلاف ہم نے آواز اٹھائی اور ہمارے علماء نے اس پر کفر کا فتوی دیا۔ اس نے ہمارے خلاف جناب والا بیربل کو بھیجا جس کو ہم نے بنیر میں قتل کیا۔ اس کے بعد زین خان کو بھیجا گیا اس کو بھی وہاں منہ کی کھانا پڑی غرض ہم نے اکبر کو عشر دینا بھی گوارا نہیں کیا۔

جناب والا ! ان سب مشکلات کے باوجود پھر بھی نام نہاد دانشور briefless lawers اور تاجر پیشہ حضرات یہی کہتے ہیں کہ ملک میں جاگیرداروں وڈیروں خانوں اور چوہدریوں کا راج ہے۔ جناب والا! یہ محض پروپیگنڈہ ہی پروپیگنڈہ ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ ہر ملک میں راج دولتمند طبقے کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو کارخانہ دار اور تاجر پیشہ حضرات ہیں یا سمگلرز ہیں یا رشوت خور سیاستدان ہیں نہ کہ آج کے لٹے پٹے کاشتکار جن کی اراضی تین زرعی اصلاحات کی نذر ہو چکی ہیں اور 8 ہزار یونٹ میں آجکل جینا مشکل ہے۔ جناب والا! جب تک حکومت اس طرف توجہ نہ دے میں سمجھتا ہوں کہ یہ گاڑی مزید نہیں چلے گی۔ اب حکومت کو چاہیئے کہ ایک کمیشن مقرر کرے جو کہ کاشتکاروں کو درپیش جتنے بھی مسائل ہیں ان کا مطالعہ کرے اور ایک جامع رپورٹ مرتب کرے۔ نمبر2 مالک مزارع کے طویل مقدمات کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کرے اور نمبر 3 کسی بھی بیرونی اشارے پر زراعت پر سبسڈی کو ختم نہ کیا جائے بلکہ جو مراعات واپس لی گئی ہیں ان کو دوبارہ زمینداروں کو دیا جانا چاہیئے کیونکہ دنیا میں کسی ملک میں بھی زراعت کا دھندا بغیر سبسڈی کے نہیں چلتا۔ نمبر 4 حکومت agriculture output کی قیمتیں agriculture input کے مطابق مقرر کرے، تب جا کر

اس سیکٹر میں ہم خود کفیل ہو سکیں گے۔

جناب والا! مرکزی حکومت کی طرف سے صدر مملکت نے یہ بھی فرمایا کہ حکومت کی خصوصی توجہ سماجی نظام میں ہے۔ جناب والا! یہ صحیح ہے کہ جو ہم نے اقتصادی ترقی ملک میں کی ہے، سماجی ترقی اتنی یہاں نہیں ہوئی ہے یعنی تعلیم کی کمی کے ساتھ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ صحت کا محکمہ بھی بیمار نظر آ رہا ہے اور بقول ان کے خواتین کے حقوق پامال ہو رہے ہیں اور اقلیتیں خود کو قومی دھارے کا حصہ تصور نہیں کرتیں اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ ملک میں عدم مساوات ہے۔ جناب والا! یہ درست ہے کہ اقتصادی شعبے میں تو ہم نے ترقی کافی کر لی ہے لیکن سماجی شعبہ کی ترقی کی رفتار اس کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے اور آج کل تعلیم پر، جناب والا! ملکی آمدنی کا تخمیناً دو فیصد خرچ ہو رہا ہے جس کے نتیجے میں کوئی 30 فیصدی آبادی تعلیم یافتہ ہے۔ اس میں بھی ان لوگوں کو شامل کیا گیا ہے جو کہ قرآن پاک کی تلاوت کر سکتے ہیں۔ کاش خدا کرے کہ یہ درست ہو۔ اب سنا ہے کہ حکومت اس ضمن میں 2 فیصد کو بڑھا کر 3 فیصد کرنا چاہتی ہے لیکن پھر بھی میں کہتا ہوں کہ یہ ایشیا میں سب سے کم ہے۔ یہی حال محکمہ صحت کا ہے جس پر کہ صفر اشاریہ آٹھ پانچ فیصد خرچ ہوتا ہے اور دو ہزار ایک سو ستائیس افراد کے لئے محض ایک ڈاکٹر موجود ہے اور 70 فیصد آبادی کو تو پینے کا صاف پانی تک میسر نہیں ہے۔

جہاں تک خواتین کا تعلق ہے تو میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان کے وہ کونسے حقوق ہیں جو پامال ہو رہے ہیں اسلام نے تو انہیں ایک اعلیٰ اور ارفع مقام عطا فرمایا ہے اور جس کے مقابلے میں مغربی تہذیب نے انہیں ننگا کر کے گلیوں اور نائٹ تھیٹروں میں ناچنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جناب والا! آج کل تو وطن عزیز میں پرائم منسٹر عورت اور سینٹ کی ڈپٹی چیئرپرسن بھی عورت ہے اور ایک سپر پاور امریکہ جیسے ملک میں ایک عورت ہی بعہدہ سفیر جا رہی ہے اور اس سے پہلے بھی وہاں ایک عورت بعہدہ سفیر رہ چکی ہے۔ اس کے علاوہ انتخابات میں عورتیں باقاعدہ حصہ لے سکتی ہیں اور ملک کے جتنے بھی شعبے ہیں وہاں ملازمت کرنے پر ان پر کوئی پابندی آج تک نہیں لگائی گئی۔ جہاں تک اقلیتوں کا تعلق ہے وہ تو ہمارے لئے

بقول قائد اعظم ایک sacred trust ہیں۔ جناب والا! اس ضمن میں پرسوں پیپلز پارٹی کے ایک نان مسلم نے ایک خط لکھا اور اس میں قائد اعظم کے اس قول کو جھٹلانے کی کوشش کی گئی اور اس کے ساتھ مذاقاً یہ کہا کہ اگر ہم secred trust ہیں تو اس ٹرسٹ کا مالک کون ہے۔ جناب والا as a veteran Muslims Leguer میں اس شخص کو اس فلور آف دی ہاؤس پر جواب دینا چاہتا ہوں کہ اس ٹرسٹ کا مالک پاکستان ہے۔ جس میں یہ لوگ یہاں ہمارے ساتھ رہ رہے ہیں۔ جناب والا! تقسیم برصغیر کے بعد ہندوستان میں جتنے بھی فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ہیں یا ہو رہے ہیں اس کا عشر عشیر بھی یہاں ہم تصور میں نہیں لا سکتے۔ چہ جائیکہ وہ چیزیں یہاں ہم کریں جو ہندوستان میں ہو رہی ہیں۔ اور جو مراعات اور لوگوں کو حاصل ہیں وہی ہمارے جتنے بھی اقلیت والے ہیں ان کو بھی حاصل ہیں ان کی حالت بھارت میں رہنے والی اقلیتوں سے ہزارہا درجے بہتر ہے۔ جناب والا! جہاں تک عدم مساوات کا تعلق ہے کاش یہ کہا ہی نہ جاتا کہ پاکستان میں عدم مساوات ہے۔ کیونکہ جناب والا! اسلام میں سرے سے مساوات ہے ہی نہیں بلکہ اسلام میں اس کے مقابلے میں عدل ہے۔ حکومت کو چاہئیے تھا لفظ مساوات اور لفظ عدم میں باقاعدہ فرق کرتی یا پھر بصورت دیگر کونسل آف اسلامک آئیڈیالوجی کے نئے چیئرمین سے اس بارے میں رائے لیتی جو ایک مقتدر بڑے عالم دین ہیں۔

جناب والا! جہاں تک وفاق صوبوں اور لوکل باڈیز میں اختیارات کی تقسیم کا تعلق ہے تو میں موجودہ حکومت سے یہ پرزور اپیل کرتا ہوں کہ خدارا وطن عزیز کے غریب عوام کو ان پڑھ یا semi-literate ڈسٹرکٹ گورنر سے بچائیں۔ ورنہ ایڈمنسٹریشن کا جنازہ نکل جائے گا۔ جناب والا! ضلعی سطح پر ایک نیا تجربہ کرنا کارے دارد چاہیئے تھا کہ اس سے قبل اس کے عیوب اور محاسن کا باقاعدہ اندازہ لیا جاتا۔ اس پر بحث مباحثہ کیا جاتا۔ مرکز میں، سینٹ میں اور نیشنل اسمبلی میں اس پر بحث ہوتی۔ صوبائی اسمبلی میں اس پر بحث ہوتی اخبارات میں اس ضمن میں تجاویز آتیں اور اس مجوزہ تجربے پر یعنی قومی سطح پر ایک مباحثے کا اگر اہتمام کیا جاتا تو وہاں سے کافی مواد حکومت کو ملتا جس کی بناء پر پھر وہ جو کچھ کرتے تو یقیناً قوم ان کے ساتھ ہوتی اور اپوزیشن کو بھی وہ ساتھ confindence میں لے لیتے۔ تو تب جا

کر کوئی بات بنتی- لیکن میں سمجھتا ہوں کہ بیک جنبش قلم اتنا بڑا تجربہ کرنا خاص کر ضلعی سطح پر اور اس کو پھر پورے ملک میں نافذ کرنا قرین دانش ہر گز نہیں ہے-

جناب والا! قائم مقام صدر نے فارن پالیسی کے حوالے سے جو کچھ کہا پوری قوم کا ان کے ساتھ اس پر اتفاق ہے- یہ کہ ہم جوہری پروگرام سے ہرگز دستبردار نہیں ہوں گے اور ہمیں امید ہے کہ امریکہ ہمارے اپنے پرامن جوہری پروگرام کو اب زیادہ حقیقت پسندانہ نگاہوں سے دیکھے گا اور جناب والا! کیونکہ اس کا تعلق براہ راست کشمیر کے ساتھ ہے- جس ضمن میں تین جنگیں ہم لڑ چکے ہیں اور پاکستان بار بار یہ یقین دہانی کرا چکا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ اس شعبے میں یعنی ایٹمی ٹیکنالوجی کے شعبے میں ہم نے صلاحیت ضروری حاصل کر لی ہے لیکن اس صلاحیت کو صرف ہم پر امن مقاصد کے لئے استعمال کریں گے- جناب والا! ایک آزاد اور خود مختار حکومت کی حیثیت سے یہ ہمارا ناقابل تنسیخ حق ہے جس کو ہم کسی صورت میں بھی کسی اور کے ہاتھ میں دینے کے لئے ہرگز تیار نہیں- جناب والا! اسی طرح یہ بدنام زمانہ پریسلر ترمیم جو ہے صرف پاکستان کے لئے ہے ہندوستان، برازیل، ارجنٹینا، ساؤتھ افریقہ اور اسرائیل اس زمرے میں نہیں آتے، وہ کیوں اس سے مستثنیٰ کئے گئے ہیں- ہمیں چاہیئے کہ اس ضمن میں ہم مزید امریکہ کی دلجوئی نہ کریں اور اگر مزید اس نے ہم سے منہ موڑ لیا ہے تو ہمیں بھی چاہیئے کہ قومی وقار اور سلامتی پر کسی سے اس ضمن میں مزید گفت و شنید نہ کریں اور جو امداد امریکہ نے بند کر دی ہے اس کو ہم نعمت غیر مترقبہ سمجھیں جس کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ہم اپنے آپ پر خود انحصار ہوں گے اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کی ہمیں کوشش کرنی چاہیئے-

جناب والا! آج کل یہ سننے میں آیا ہے اور اگر یہ صحیح ہو تو پھر حکومت کو چاہیئے کہ قوم کو اعتماد میں لے کہ وہ کیا حالات اور کیا واقعات ہیں کہ امریکہ اب ہمیں نگاہ کرم سے دیکھ رہا ہے اور یہ اشارے اور کنایئے بھی حکومت کے منسٹروں سے مل رہے ہیں اور اخبارات میں بھی کافی لے دے ہو رہی ہے کہ عنقریب پریسلر ترمیم ختم کر دی جائے گی- اور پھر ہمیں وہ امداد جو بند ہوئی تھی دوبارہ ملنا شروع ہو جائے گی- تو میں یہ پوچھنا چاہتا

ہوں کہ آیا یہ سمجھوتا جوہری پروگرام پر تو نہیں کیا گیا۔ اس کا ہم جواب چاہتے ہیں۔

جناب والا! جہاں تک کشمیر کا تعلق ہے تو صدر مملکت نے یہ فرمایا ہے کہ کشمیریوں کو ان کا حق خودارادیت دینا ہمارا ایک قومی عزم ہے۔ جناب والا! صرف قومی عزم سے بات نہیں بنتی اور اس سے بھی بات نہیں بنے گی کہ ہم صرف ان کی اخلاقی اور سفارتی امداد جاری رکھیں۔ اس ضمن میں چونکہ لاتوں کے بھوت باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں۔ ہندو کسی صورت میں بھی کشمیر کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں، اور پرسوں سے جو یہاں مذاکرات شروع ہوئے ہیں اس کے ساتھ ہی وہاں کے وزیر خارجہ نے جو بیان دیا ہے وہ بھی اخبارات کی شہ سرخیوں میں آ چکا ہے۔ اور وہی پرانی بات کہ کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے تو جناب والا! ہمیں چاہیئے کہ ہم اس کے لئے ایک نئی پالیسی مرتب کریں۔ پھر بھارتی وزیراعظم کو صدر پاکستان کی اس اپیل پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیئے کہ وہ اپنی حکمت عملی پر وہاں نظرثانی کرے اور فوج میں وہاں کمی کرے۔ اور حالات ایسے مرتب کرے جس سے وہاں استصواب رائے کے لئے راستہ ہموار ہو جناب کیونکہ کشمیر کا مسئلہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان جتنے بھی تنازعات ہیں اور ہمارے جو آئندہ کے لئے تعلقات ہیں اس سب کے لئے یہ شرط اول ہے جب تک یہ معاملہ صاف نہیں ہوتا ان کے ساتھ ہمارا کوئی اور لین دین ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح پاکستان فلسطین اور بوسنیا کے بہادر عوام کی بھرپور جدوجہد کی بھرپور حمایت کرے گا جب تک ان کو مکمل انصاف نہیں ملتا۔ اور جناب والا! کچھ باتیں ایسی سننے میں آئی ہیں جس کی بابت حکومت نے تو یہ کہا ہے کہ ہم نے یہ باتیں نہیں کیں۔ لیکن اگر اس میں کوئی صداقت ہے بھی تو قوم حکمرانوں کی اسرائیلی ایجنٹوں کے ساتھ خفیہ سازشوں اور راز و نیاز کی باتوں کو نہایت ہی حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہے ہم کسی صورت میں بھی نام نہاد اسرائیل کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں جب تک وہ جملہ مقبوضہ عرب علاقے واپس نہ کر دے اور اس کے ساتھ ہی جتنے بھی عرب ممالک ہیں وہ سب اسرائیل کو تسلیم نہ کریں اس وقت تک ہم اسرائیل کو کسی صورت میں بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔

جناب والا! اسی طرح پاکستان کو چاہیئے کہ اسلامی کانفرنس میں نئی روح ڈالے اور اس کو ایک سپر پاور کے دباؤ سے نکالنے کی کوشش کرے اور جملہ اسلامی ممالک کے ساتھ تعلقات کو اور بھی گہرا کرنے کی کوشش کرے نہ کہ قبرص کے معاملے میں ترکی جیسے دیرینہ دوست کو ناراض کرے۔ جناب والا! اسی طرح عوامی جمہوریہ چین کی مثالی دوستی کی بھی زیادہ گہرا کیا جائے۔ ساتھ ہی ساتھ وسط ایشیا کے جتنی نوآزاد ریاستیں ہیں ان کے ساتھ پاکستان کے جو تاریخی روابط ہیں ان کی تجدید کے لئے بھی کوشش کریں اور باہمی مفاد پر مبنی تعلقات کو ان کے ساتھ استوار کرنے کی کوشش کریں جس کی ابتدا مسلم لیگ کی حکومت نے پہلے سے کر رکھی ہے۔ جناب والا! اس ضمن میں افغان مسئلے کے لئے بھی کوشش کریں کہ وہاں امن و امان قائم ہو جائے تاکہ ہمارے یہ برادرانہ تعلقات ایران افغانستان ترکی اور وہاں کی وسط ایشیا کی نو آزاد مسلمان مملکتوں تک بھی پہنچ جائیں۔

جناب والا! بدقسمتی سے ورلڈ بینک نے امریکہ کے اصرار پر یہ شاہراہ جو ہم بنا رہے ہیں اسلام آباد سے پشاور تک وہ بند کرادی ہے۔ وہ اس لئے بند کرا دی ہے کہ یہ سڑک کہیں آئندہ جا کر تاشقند اور ثمرقند تک نہ پہنچ جائے۔ جناب والا! غیر اسلامی حکومتوں کی یہ کوشش اور خواہش ہے کہ پاکستان کا اثر و رسوخ افغانستان سے باہر ان نو آزاد مسلم ممالک تک نہ پہنچ سکے اس لئے انہوں نے یہ منصوبہ بنایا ہوا ہے جس میں کہ موجودہ ہماری جو کمزور حکومت ہے وہ اس جال میں پھنس گئی ہے اور یہ میرا ایمان ہے کہ اس جال سے پاکستان کو نکالنے والی صرف اور صرف پاکستان مسلم لیگ ہے جس نے کہ قائداعظم کی قیادت میں اس ملک کو بنایا ہے جناب والا! پاکستان دینا میں رونما ہونے والی جتنی بھی تبدیلیاں ہیں ان کا بنظر غائر مطالعہ کرے اور ان کے تقاضوں کو خارجہ پالیسی میں سمونے کی کوشش کرے۔

قائم مقام صدر نے آخر میں اپنی تقریر ممبران پارلیمنٹ کو ناصاحانہ انداز میں مخاطب کرتے ہوئے ختم کی کہ پوری قوم آپ کی طرف دیکھ رہی ہے لہذا آپ مل جل کر اس ملک کی تعمیر نو میں ہاتھ بٹائیں۔ جناب والا! اس ضمن میں ہم نے اپوزیشن کی طرف سے

حکومت کو یہ تسلی دی ہے کہ تعمیر نو کے کاموں میں ہم انشاء اللہ تعالیٰ آپ کا ساتھ دیں گے لیکن جناب والا! تالی صرف ایک ہاتھ سے نہیں بجتی۔ ان کی طرف سے بھی تعاون کا ہاتھ آنا چاہیئے لیکن میں سمجھتاہوں کہ جب تک اس کے ساتھ خلوص اور نیک نیتی نہ ہو صرف تعاون کا ہاتھ بڑھانے سے کوئی چیز نہیں ہو گی۔ کیونکہ ان کے قول و فعل میں مجھے بہت سا تضاد نظر آرہا ہے اور جناب والا! اگر یہ تضاد باقی رہا اور صرف میٹھی باتوں پر اکتفا کیا گیا تو میں یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گا کہ موجودہ حکومت کا حشر اس کی پچھلی بار سے بھی زیادہ خراب ہوگا۔ واخر دعوناانا الحمد اللہ رب العالمین۔

جناب چیئرمین: ڈاکٹر شیر افگن صاحب آپ تقریر کریں گے۔

حافظ حسین احمد: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب چیئرمین: حافظ حسین احمد صاحب۔

حافظ حسین احمد: جناب چیئرمین صاحب! ہمیں قائم مقام صدر کی تقریر پر کچھ دقتیں پیش آرہی ہیں کیونکہ آپ تشریف فرما ہیں اس کے متعلق یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ نے یہ فرمایا حالانکہ آپ نے قائم مقام صدر کی حیثیت سے فرمایا ہے۔

جناب چیئرمین: دیکھیں یہ تقریر جو ہوتی ہے یہ صدر کی تقریر ہے۔ یہ کسی وسیم سجاد یا فاروق لغاری یا غلام اسحاق خان کی نہیں ہے۔ یہ صدر کی ہے جو بھی صدر ہے اس کی تقریر ہے۔ تقریر institutional سی ہوتی ہے۔

حافظ حسین احمد: کم از کم یہ تو بتا دیں آپ کی اپنی باتیں کہاں سے شروع ہوتی ہیں۔

جناب چیئرمین: میری اپنی باتیں شروع ہونے والی ہیں۔ جہاں میں نے آپ کو کہا ہے کہ صحیح کام کریں۔ باقی میری نہیں حکومت کی اپنی ہیں۔

[At this stage the Chair was vacated by the Chairman which was occupied by the Presiding Officer (Mr. Basheer Ahmed Khan Matta)].

جناب اعجاز علی خان جتوئی: پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جی پوائنٹ آف آرڈر۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: جناب چیئرمین! میں نے سیکرٹریٹ کو کال اٹینشن نوٹس دیا ہے ابھی یکم کو سندھ میں ایک واقعہ ہوا ہے سابق وزیر کے گھر پر اٹیک ہوا ہے پولیس نے زبردستی اٹیک کرکے ان کی گاڑیاں چھینی ہیں۔ گاڑیاں چھین کر لے گئے ہیں اور کافی چیزوں کی توڑ پھوڑ کی ہے unlawfully ان کے گھر پر اٹیک ہوا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج لے لیں تو مہربانی ہوگی۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جتوئی صاحب کال اٹینشن نوٹس ابھی ملا ہے۔ دیکھتے ہیں کہ اس کو کیسے اکاموڈیٹ کیا جائے۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: آج اس کو کسی وقت لے لیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ابھی تو وہ کہتے ہیں کہ پریذیڈنٹ کے ایڈریس پر بحث جاری ہے۔ تو اس میں کیا کچھ کریں گے۔ جتنا بھی ہوا وہ جلدی لینے کی کوشش کریں

گے۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: یہ آج لے لیں یا پھر کل صبح لے لیں یہ بڑا اہم واقعہ ہوا ہے۔ وہاں پر بڑی زیادتی ہوئی ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ابھی وہ رولز دیکھتے ہیں تو

According to the rules they will put it to me then I will look at that

ہو سکتا ہے کہ جب پریذیڈنشل ایڈریس پر ڈیبٹ ہو رہی ہوتی ہے تو اس میں کال اٹنشن نوٹس کیسے لیں۔

جناب اعجاز علی خان جتوئی: مگر میں یہ ریکویسٹ کروں گا کہ ہوتی صاحب بھی بیٹھے ہیں کیونکہ یہ ایسا السیڈنٹ ہوا ہے کہ ....

جناب پریزائڈنگ آفیسر: جی وہ پراسس کر رہے ہیں۔

We will try to accommodate it as much as we can.

جناب اعجاز علی خان جتوئی: شکریہ!

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جی منسٹر صاحب۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: جناب چیئرمین! میں آپ کا مشکور ہوں کہ آپ نے مجھے موقع دیا کہ صدر کے خطاب پر بات کروں تو اس میں ضمناً میں ایک بات کی وضاحت کردوں کہ پارلیمانی روایات کے مطابق صدر کا خطاب بنیادی طور پر حکومتی بیان ہوتا ہے۔

اس میں صدر کا کوئی تعلق نہیں ہوتا..........

Mr. Presiding Officer: Are you on a point of order or you making speech on President's Address?

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: یہاں ہمارے پاکستان میں رواج ہے........

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ڈاکٹر صاحب آپ ذرا یہ فرمائیں کہ آپ پوائنٹ آف آرڈر پر ہیں یا تقریر کر رہے ہیں۔

Dr. Sher Afgan Khan Niazi: Sir, I just rose as a regular speaker.

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: ریگولر سپیچ میں تو آپ کا نمبر ذرا پیچھے ہے۔ There is another speaker, you see there are few speakers before you.

Dr. Sher Afgan Khan Niazi: No. No. The winding up speech will be done by Malik Qasim and if we go into the Rules of Procedure under Rule 45, you may go into it and read it, I have risen to speak as a speaker even if he has spoken for once, again he has got the right to wind up.

Mr. Presiding Officer: Doctor Sahib, your name is listed at the bottom of the list which has been given to me.

(interruption)

Mr. Presiding Officer: Just a minute, there are the names for today. Let me ask them, if they won't like to speak today then I will give floor to you, after checking this list please.

Dr. Sher Afgan Khan Niazi: Right, Sir.

Mr. Presiding Officer: Subedar Khan Mandokehl Sahib, would you like to speak today?

Mr. Subedar Khan Mandokhel: Sir, I am not prepared today, therefore, if you kindly give me floor tomorrow.

Mr. Presiding Officer: Then, I call the name of the next speaker. Akhunzada Behrawar Saeed Sahib.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: بسم اللہ الرحمان الرحیم- نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم- اما بعد آعود باللہ من الشیطن الرجیم- جناب چیئرمین صاحب شکریہ-

چراغ کون یہاں لائے گا جلانے کو
کہ حسن خون سے فراغت نہیں زمانے کو

جناب چیئرمین صاحب! جناب قائم مقام صدر نے جو آج کل ہمارے چیئرمین ہیں پارلیمنٹ کی جوائنٹ سٹنگ سے جو خطاب فرمایا وہ آج زیر بحث ہے- جناب صدر نے سوائے

تمہید کے جو کہا ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے الفاظ ہیں، ان کی رائے ہے باقی ساری تقریر پیلز پارٹی کے منشور کا چربہ ہے اور اس میں، میں غلط بات نہیں کروں گا اپنے خطاب میں بھی فرمایا ہے کہ پیلز پارٹی نے اپنے منشور میں یہ وعدہ کیا ہے، یہ وعدہ کیا ہے بجائے اس کے کہ یہ کہیں کہ ہاں، یہ خود اس کو تسلیم کرتے ہیں، جو چیز باڈی میں ہے وہ وہی چیز ہے جو کہ پیلز پارٹی کے منشور میں ہے، اور حسب قاعدہ گورنمنٹ تقریر تیار کرکے دیتی ہے اور گورنمنٹ نے یہ تقریر تیار کر کے ان کو دی ہے اور انہوں نے یہ یہاں آکر پڑھ کر سنائی ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں۔

جناب صدر نے ضرور انتخابات کے متعلق بات کی ہے، اور فرمایا ہے کہ "یہ انتخابات شفاف، غیر جانب دار اور منصفانہ تھے جس کو اندرون ملک اور بیرون ملک سراہا گیا- میں صدر مملکت کے ان الفاظ کی تردید تو نہیں کروں گا لیکن میں یہ کہنے کی جسارت کروں گا کہ انتخابات نہ شفاف تھے اور نہ غیر جانبدار تھے اور نہ ہی منصفانہ تھے انتخابات کن حالات میں کرائے گئے، کس نے کروا دیئے، کون سی مشینری تھی کون کون سے بیرون ممالک کے وسائل اور کون کون سے اندرون وسائل اس میں بروئے کار لائے گئے- وزیراعظم کو امپورٹ کیا گیا، دوسرے وزراء کی لسٹ اس کے ہاتھ میں پکڑوائی وہ مجبور تھے کہ جہاں سے آئے تھے اور وہیں آخری دن وہ تشریف لے گئے، خدا ان کو پھر یہ ملک دیکھنا نصیب نہ کرے، اور جو وزراء تھے وہ 'his master's voice' کا کردار ادا کر رہے تھے- میں صرف ایک کا نام لیتا ہوں جس کا نام بندیال صاحب ہے- ان کا داماد پیلز پارٹی کا ٹکٹ حاصل کرنے والا ایک امیدوار تھا- اور یہ چوہدری ظہور الٰہی کے زمانے میں اس وقت کی وزارت کے سیکرٹری تھے جن کا اختلاف تھا، یہ یہی چاہتے تھے کہ وہ جو چاہیں کریں- ضیاء صاحب مرحوم نے ان کو ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی اس لئے ان کو اس منصب سے تبدیل کر دیا گیا- اس نے یہ سب نقشہ بنایا، میں اس کی ایک بات عرض کروں- میں نے ایک دن ان سے کہا کہ بندیال صاحب، آپ نے پنجاب میں ڈسٹرکٹ کونسلیں جو ہیں- ان کو کیوں dissolve کروایا ہے- وہ مجھ سے فرماتے ہیں کہ کیوں... ہم نے آپ کی بات نہیں مانی......ہم نے آپ کی بات نہیں مانی...... کون سی بات کہ دو تاریخوں کو انتخابات ہوں گے 6 اور 9 ..... یعنی مدعی کے طور

پر مجھے جواب دے رہے ہیں کہ اگر ہم نے ایسا کیا ہے تو ان کو satisfy کرنے کے لئے، ان کو خوش کرنے کے لئے، پیپلز پارٹی کو خوش کرنے کے لئے یا دیگر جماعتیں جو ان کے ساتھ اس وقت چلنے پر آمادہ تھیں، تو ہم نے تو آپ کو بھی satisfy کیا ہے۔ تو جب ایک وزیر اتنا طرف دار ہو تو کیا وہ انتخابات جس میں وہ وزیر ہے کیا واقعی غیر جانب دار ہیں۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب شاید وہ دے سکتا ہے جو اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور اپنے ضمیر کی آواز سننے سے قاصر ہو۔

انتخابات mechanically, scientifically rig کئے گئے انتخابات کی رات جو اعلانات آئے تھے، ساڑھے بارہ بجے تک تو صحیح آرہے تھے اور اس وقت تک کس کا پلہ بھاری تھا، یہ آپ، اور ہم سب جانتے ہیں۔ ساڑھے بارہ بجے کے بعد جب اس کی روح تبدیل کی گئی، پہلے یہ لازمی کر دیا گیا کہ قصر صدر میں پہلے نتیجہ پہنچے جس کو وہ پرکھے، اس کے بعد اس کو او کے کرے پھر وہ نتیجہ سامنے آئے۔ دوسری چیز شناختی کارڈ کا جو کھیل کھیلا گیا وہ وزارت داخلہ کے تحت تھا جس کے وزیر وہی بندیال صاحب تھے اس نے کس طریقے سے شناختی کارڈ بنوا کر، بڑے پیمانے پر، سرکولیٹ کئے، یہ ان لوگوں کو دیئے گئے جن کو یہ چاہتے تھے۔ یک طرفہ جو at eleventh hours جو electrol roll تیار کئے گئے اس میں بے پناہ، بے شمار لوگوں کے نام درج کر دیئے گئے جو ان کے اپنے تھے۔ جناب صرف یہی نہیں بلکہ مغربی پریس کس طرح سے ہوا دے رہے تھے کہ کسی طرح سے وہ پارٹی آئے .... پھر وہ پارٹی آئے اس ملک میں آئے ..... اس ملک کی بدقسمتی ہو کہ پھر پیپلز پارٹی آئے جس نے پاکستان کو دو لخت کیا تھا۔

جناب والا! اگر میں اس میں پڑوں کہ دو لخت کیسے کیا تھا پھر تو بہت زیادہ وقت کی ضرورت ہے اور مجھے یقین نہیں ہے کہ آپ مجھے اتنا وقت دیں گے لیکن دو الفاظ عرض کروں گا میں اپنے وزیر جناب شیر افگن صاحب کو یاددھانی کرواتا ہیں کہ جب وہ ذوالفقار علی بھٹو صاحب، ڈھاکہ سے کراچی پہنچے تو انہوں نے کہا کہ شکر ہے کہ پاکستان بچ گیا، اور پھر کہا کہ "ادھر ہم ادھر تم" اس کا کیا مطلب ہے؟ ادھر تم اور ادھر ہم سے کیا مطلب.....

یعنی وہ تمہارا اور یہ میرا ..... اس سے میں آگے بھی جانتا ہوں بہت کچھ جانتا ہوں، وقت نہیں ہے کہ میں یہ سب بتاؤں کہ کس طرح سے یہ کھیل کھیلا گیا- کس طرح یہ کوشش کی گئی .... ان کا جو حق تھا وہ نہیں دیا گیا- کس طرح سے اسمبلی کے اجلاس کو روکا گیا- کس طرح سے کہا گیا کہ جو شخص اسمبلی میں جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی- اور پھر کس طرح سے اپنی غیور اور بہادر افواج سے surrender کروایا اور پھر جو surrender کی فلم بنوائی گئی، وہ کتنی دیدہ دلیری سے پاکستانی عوام کے سامنے پیش کی گئی تاکہ اس فوج کی تذلیل ہو، توہین ہو ...... اب پھر اس کو ہمارے سر پر ڈال دیا گیا ہے......

جناب والا! صدر صاحب کا پہلا مصرعہ انتخابات کے متعلق تھا جس کے بارے میں، میں اپنی رائے دیتا کہ یہ انتخابات جو گزرے ہیں یہ نہ منصفانہ تھے، نہ غیر جانبدارانہ تھے نہ شفاف تھے بلکہ جانب دارانہ تھے- کس طریقے سے آئی ایس آئی کی خدمات لی گئیں کس طرح سے گورنمنٹ آفیشلز کی خدمات لی گئیں، یہ ہم جانتے ہیں- ہم سب جانتے ہیں، ایسے چہرے پھر یہاں دوبارہ آئے جو کہ آزاد انتخابات میں پہلے غائب ہوگئے تھے-

جناب والا! دوسری چیز جو صدر گرامی قدر نے اپنی تقریر میں پڑھ کر سنائی کہ آئین کی بالادستی اور قانون کی حکمرانی ہو... کیا خوب .... کتنے مزیدار الفاظ میں یہ چیز پیش کی گئی ہے کہ آئین بالا دست ہو اور قانون کی حکمرانی ہو... جناب چیئرمین صاحب کہتے ہیں کہ آئین کی بالادستی ہے، آئین کی بالادستی ہونی چاہیئے، قانون کی حکمرانی ہے- قانون کی حکمرانی ہونی چاہیئے- قانون ہر ایک کے در تک پہنچا دیا جائے گا قانون ہر ایک کے در تک پہنچا دیا گیا جناب یہ ہے گفتار کیا اور کردار کیا؟ سپریم کورٹ فیصلہ دیتی ہے کہ صدر گرامی نے نواز شریف کی حکومت اور اس وقت کی اسمبلی کو ڈسمس کیا وہ ایک غیر آئینی غیر قانونی حرکت تھی اس واسطے اس کو set a side کیا گیا اور اس کو بحال کیا گیا اگرچہ قصر صدر سے یہ آواز آئی کہ ہم اس فیصلے کو تسلیم کرتے ہیں ہم اس کی قدر کرتے ہیں اور صدارتی مشینری جب حرکت میں آئی تو پنجاب سے ایک کھلونا اٹھایا گیا ایسے شخص کو اٹھایا گیا جس کے بارے میں میں عرض کروں جس کے اباؤ اجداد کی وجہ سے ہم سے گورداسپور کا ضلع چلا گیا- اگر

اس کے اباؤ اجداد اس وقت ریڈ کلف ایوارڈ میں پیش ہو کر یہ نہ کہتے کہ ہم اقلیت ہیں تو پھر گورداسپور کا ڈسٹرکٹ ہمارے پاس آتا اور پھر کشمیر ہماری جھولی میں ہوتا حالانکہ ایسے شخص کو قانوناً آئین کے مطابق وزیراعلیٰ بننے کا کوئی حق نہیں تھا لیکن بٹھایا گیا کس واسطے تاکہ ایک قانونی حکومت کے راستے میں روڑے اٹکائے جائیں۔ پھر جناب پنجاب اسمبلی کس کے حکم پر کس کی ہدایت پر برخاست کی گئی اور جب پنجاب ہائیکورٹ نے فیصلہ دیا کہ یہ اقدام بھی غلط ہے میرے خیال میں دنیا میں کوئی ایسی مثال نہیں ہے میں بھی ایک قانون دان ہوں تاریخ بھی جانتا ہوں قانون بھی جانتا ہوں اور امور سیاست سے بھی واقف ہوں ان ممالک سے بھی واقف ہوں جہاں ایسی نام نہاد جمہوریت ہے میں جانتا ہوں کہ 7 منٹ کے بعد اسمبلی پھر توڑ دی گئی اب یہ بتائیے جج صاحبان حکم دیتے ہیں۔ اس کو پڑھنا بھی گوارا نہیں کیا جاتا کہ کیا آرڈر کیا ہے، ادھر سے حکم جاتا ہے کہ پھر توڑ دو اور پھر اسمبلی کو توڑا جاتا ہے۔

جناب چیئرمین صاحب ! میں یہ پوچھتا ہوں کیا آئین کی بالادستی یہی ہے کیا قانون کی حکمرانی یہی ہے جو اس وقت ہو رہی تھی کیا یہ آزاد منصفانہ، شفاف انتخابات کے لئے انتظامات کئے گئے تھے اس لئے یہ کہنا inprinciple سہی کہ آئین کی بالادستی ہو اور قانون کی حکمرانی ہو۔ کاش ایسا ہو یہ تب ہو سکتا ہے جب ایسا طبقہ پاکستان پر حکمران ہو جس کی وہ خواہشات اور وہ تمنائیں نہ ہوں جو ہر قیمت پر حکومت لینا چاہتے ہیں یا جن کو باہر دنیا میں یا امریکہ نے یا یہود و ہنود نے لا کر پھر ایک دفعہ ہمارے سر پر بٹھایا ہے۔ یہ قانون کی حکمرانی نہیں ہو سکتی کونسا قانون؟ اگر وہ قانون جو قانونی کتابوں میں ہے جو اسلامی قانون ہے وہ تو ان کے لئے ایک انہونی بات ہے اگر وہ قانون جو ان کے منہ سے نکلے اور لوگ کہیں "Yes Madam" اور اس کی تعمیل ہو تب تو ٹھیک ہے۔ کسی کو جرات ہے اس کی کیبنٹ میں یا ساتھیوں کو کہ وہ کہتے "No Madam" اگر کسی کو جرات ہو جائے تو وہ پھر انشاء اللہ وہاں ہوگا جہاں سے آیا ہے۔

جناب والا! تیسری چیز جسے جناب صدر نے اپنی تقریر میں فرمایا وہ ہے وفاق اور

صوبوں کے تعلقات۔ فرماتے ہیں کہ وفاق ایک چھتری ہے۔ جو فرمایا صحیح فرمایا کہ یہ ایک چھتری ہے اور صوبے اس کے ستون ہیں۔ اس میں کوئی شک ہی نہیں لیکن اس ستون کو کاٹتا کون ہے؟ اس وفاق کے ستون کون ہٹا رہا ہے اس کی مثال اس وقت کی حکومت میں بھی تھی جو 70ء کے بعد بنی تھی اس کی مثال 89 کی حکومت تھی جب دوسرے دن بلوچستان اسمبلی تڑوا دی گئی اور اس کی مثال اس وقت تھی جب بلوچستان اور سرحد کی حکومتیں توڑ دی گئی تھیں اور یہ مثال اب قائم ہو رہی ہے جو ریشہ دوانیاں سرحد اور بلوچستان میں جاری ہیں۔ جناب میں یہ نہیں سمجھتا، یہ قانون مجھے کہیں نظر نہیں آتا، شاید وزیر صاحب بتا دیں یا شیر افگن صاحب بتا دیں کہ ایک شخص سنٹرل اسمبلی کا ممبر ہے اور صوبے میں وہاں ایڈوائزر اعلیٰ ہے، یہ کونسی منطق ہے۔ نگران وزیر اعلیٰ ہے یہ کونسی منطق ہے، اس کی ایک مثال جناب والا! میں پیش کر سکتا ہوں۔ میری بات سن لیتے یہ رول اس پر اپلائی نہیں کرتا۔ یہ وہی سسٹم ہے جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس وقت کی ریاستوں میں ایک سسٹم نافذ کیا تھا گورنر مقرر کیا جاتا تھا جس کے سارے اخراجات وہ سٹیٹ برداشت کرتی تھی اور جو کچھ گورنر کرتا تھا وہ وٹو صاحب کرتے ہیں......

(مداخلت)

اخونزادہ بہرہ ور سعید: ڈاکٹر صاحب حوصلہ کیجیئے۔ ڈاکٹر صاحب، آپ کا وقت آئے گا آپ کا جو جی چاہے فرما دیجیئے ہم فراخ دلی سے آپ کی جو فرمائش ہے سنیں گے ہمیں خوشی ہوگی اور اس طرف سے میرے دوست جو آپ کے ساتھ ہیں ان کی بھی ہم سنیں گے انشاء اللہ آپ (ڈاکٹر شیر افگن نیازی سے مخاطب ہو کر) کو تو میں سمجھتا ہوں یہ حق بھی نہیں حاصل you are not a Senator اس واسطے میں عرض کر رہا ہوں۔ وفاق کی کیا مثال ہے۔ میں عرض کر رہا تھا کہ وہی ہتھکنڈے پھر شروع ہوگئے ہیں۔ کیسے؟ سب سے پہلے موٹر وے پر حملہ صوبہ سرحد سے شروع ہوا اسلام آباد اور پشاور کے مابین جو موٹر وے کی سکیم تھی جس کا ٹرکش گورنمنٹ کی ایک فرم کو ٹھیکہ دیا گیا تھا جس کو 700 ملین روپے بھی ادا کئے گئے تھے اور بڑے زور و شور سے جب ترکی کا دورہ کیا یہ یقین دہانی

کرائی گئی تھی کہ یہ کنٹریکٹ قائم رہے گا اچھا ہوا ترکوں کو بھی معلوم ہوگیا ہمارے سر پر جو بٹھائے گئے ہیں وہ کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ اور ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ورلڈ بنک نہیں چاہتا۔ اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اگر کسی کو انکار کرنے کی جرات ہے تو وہ بتا دے کیا وہ ورلڈ بنک کا فیصلہ نہیں؟ ورلڈ بنک نہیں چاہتا یہ کیوں نہیں چاہتا؟ اس لئے کہ یہ راستہ فرنٹیئر سے جاتا ہے یہ طورخم سے ہوتے ہوئے کابل جاتا ہے پھر یہ چھ مسلم ریاستوں تک جاتا ہے جو روس سے آزاد ہوئی ہیں۔ یہ لنک ورلڈ بنک کو یہود و ہنود کو پسند نہیں ہیں یہ لنک امریکہ کو بالکل پسند نہیں ہے۔ وہ نواز شریف کے دور میں اس لئے کامیاب نہیں ہو سکے کہ نواز شریف اس ملک کا وفادار تھا اور ہے اس کی رگوں میں مسلمان کا خون دوڑ رہا ہے اور دوڑتا ہے۔ میں اس کو دوبارہ دہراتا ہوں کہ اس کی رگوں میں مسلمان کا خون دوڑتا ہے۔ اس لئے کسی نے جرات نہیں کی۔ اس نے کہا تمہاری aid بند کرتے ہیں تو اس نے جواباً کہا بالکل، بے شک۔ پریسلر ترمیم لاتے ہیں تو اس نے کہا بے شک۔ ہم خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں گے۔ اس کی سزا اس کو یہ ملی کی پستول کی نوک پر استعفیٰ لیا گیا۔ کہتے ہیں آزادانہ انتخابات، کس طرح سے ان کو کرایا گیا، handle کیا گیا۔ یہ اتنا جھوٹ نہ کہیئے ہم یہ کہتے ہیں کہ ہاں ایسے ہوا تھا۔ وہ نام کی جو List دی گئی تھی کہ سارے پاکستان میں فلاں فلاں شخص ہر گز کسی حالت میں elect نہیں ہونا چاہیئے۔ اور نہیں ہونے دیا۔ کس نے روکے ہیں ساری طاقتوں نے مغربی ممالک اور ہندوستان نے پھر بھی نواز شریف نے 11 لاکھ ووٹ زیادہ حاصل کئے بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ تو کیا یہ عوام کا فیصلہ ہے پھر سنئے جناب چیئرمین صاحب 60 فیصد عوام نے ووٹ میں حصہ نہیں لیا۔ 40 فیصد میں اس کو کتنا ملا وہ بھی 11 لاکھ ہم سے کم، حکومت ان کی بن گئی یہ کیا معاملہ ہے جنتر منتر والا معاملہ ہے تو جناب والا! یہ عجیب ہی معاملہ ہے۔

اب جیسے صدر صاحب فرماتے ہیں کہ آئین میں جو صوبائی خودمختاری ہے اس کا استحکام کا یہ طریقہ ہے کل ہی اسی ہاؤس میں بحث ہوئی کہ پرمٹ کا سسٹم جو وہاں کئی سالوں سے جاری تھا اس کو withdraw کیا گیا، کیوں؟ اس لئے کہ مرکزی حکومت کے من پسند افراد کو، جیالوں کو پرمٹ نہیں مل سکیں گے۔ یہ صاف کیوں نہیں کہتے۔ پھر یہ میں

عرض کروں کہ ایک مرکز کے ممبر کو اٹھا کر، وہاں defecto وزیر اعلیٰ بنایا گیا اور ایک وہاں سے یہاں اپنا مشیر بنایا گیا شیر پاؤ واہ عجیب بات ہے عجیب طریقے ہیں نئے نئے ولولے اور جذبے ہو رہے ہیں یہ ملکہ چاہتی کیا ہے۔ اس کو وہاں کس طریقے سے، وہاں وہ لیڈر آف دی اپوزیشن بھی ہے صوبائی اسمبلی کا ممبر بھی ہے اور یہاں مشیر بھی ہے یہ وہی خیالات ہیں۔ وہ تصورات ہے جو ایک آمر مطلق کے ہوتے ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بیگم زرداری صاحب کی محض خواہشات اور تمنائیں محض ہیں۔

جناب والا! آگے صدر صاحب فرماتے ہیں میں وہ پڑھ دیتا ہوں، ہمیں امید ہے کہ امریکہ، ایٹمی پروگرام جیسے معاملات پر پاکستان کے موقف کو بہتر طور پر اور زیادہ حقیقت پسندانہ انداز میں سمجھ لے گا ایٹمی ہتھیاروں کے پھیلاؤ کو روکنے کے سلسلے میں پاکستان کی لگاتار کوششیں وغیرہ وغیرہ ....

جناب چیئرمین! میں یہ پوچھتا ہوں کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ ہمارا ایٹمی پروگرام بند ہے۔ وزیراعظم صاحب نے خود اس کو تسلیم کیا۔ پھر اس پر جنرل اسلم بیگ کا بیان آیا ہوا ہے۔ اس کا فیصلہ ہم ایوان صدر میں وہ (اسلم بیگ) ملکہ یعنی بی بی اور صدر غلام اسحاق خان نے تینوں نے 89 میں کیا تھا کہ یہ جہاں ہے اس کو بند کیا جائے اور وہ بند کر دیا گیا ہے۔ اس لئے صدر گرامی قدر کہتے ہیں کہ امریکہ کو ہماری کوشش کو سمجھنا چاہیئے کہ ہم نے یہ تو بند ہی کر دیا ہے اور ہم وہی کریں گے۔ جو آپ فرمائیں گے آپ مزید اس کو اٹھا کر ....(مداخلت)..... بند تھا، جناب والا! میں یہ پوچھتا ہوں کہ یہ ہمارے جوہری پروگرام کی ابتداء اس خاتون کے والد جناب ذوالفقار علی بھٹو نے کی اور ان کی وقت کی بڑی دلیل تھی اور امریکہ کی یہ خواہش تھی کہ اگر یہ گھاس کھاتا ہے اور ایٹم بم بناتا ہے تو یہ بہت پریشان کن صورتحال ہے۔ آخر باپ کی جائیداد تو وہ لیتی ہے نام تو وہ لیتے ہیں زمین وہ لیتے ہیں لیکن اس نے جو پروگرام شروع کیا ہے اس کو صاف طور پر ترک کر دیا۔ اس لئے کہ پریسلر چاہتا ہے یا چچا سام ناراض ہوتے ہیں یا امریکہ ناراض ہوتا ہے۔

یہ اس ملک کے ہر فرد کی خواہش ہے اور تمنا ہے کہ یہ ملک طاقتور ہو اس کا دفاع مضبوط ہو، یہ کسی کی آنکھوں کا حقیر شکار نہ بنے اور اس کے لئے موجودہ دور میں اگر کوئی چیز ہے تو وہ اٹامک انرجی اور نیوکلئیر طاقت کا حاصل کرنا ہے ہم نے ایک سٹیج تک یہ حاصل کی تھی کیوں روک دی گئی؟ مجھے امید ہے اور جیسے میرے دوست نے فرمایا کہ جب کوئی وزیر صاحب جواب دیں گے تو slip trip نہیں کریں گے اس کا صحیح بیان دیں گے کہ وہ کون سے محرکات تھے کہ بند کر دیا گیا اور کیا محرکات ہیں کہ اب جاری ہے اور پھر اب کونسے محرکات ہیں کہ اب اس کو رول بیک کر رہے ہو۔ لیکن میں بتانا چاہتا ہوں کہ [+++++] اس کا رول بیک کرنا پاکستان کی بقاء اس کو ختم کروانے کے مترادف ہوگا۔ جو ہم انشاء اللہ کبھی ایسا نہیں کرنے دیں گے۔

Dr. Sher Afghan Khan Niazi: I request the Chair to expunge the words[+++++] or like that. They do not say it as a Prime Minister.

Mr. Presiding Officer: Would you particularize? Please refer as Prime Minister to the Head of the Government.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: جناب اگر میں [++++++++] کہتا ہوں اگر یہ توہین ہے تو پھر میں یہ نہیں کہتا چلو جی تو بیگم زرداری کہنے پر تو اعتراض نہیں ہے۔ اس پر تو اعتراض نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ تو ایک حقیقت ہے۔ اس پر بھی اگر وہ اعتراض کرتے ہیں تو میں کیا کروں۔

جناب محمد افضل خان: جناب چیئرمین! میں محترم بھائی سے یہ عرض کروں گا کہ یہ اکیلے ان کی توہین نہیں ہے۔ یہ ہاؤس کی توہین ہے ہم ملکہ کے ماتحت تو یہاں نہیں بیٹھے ہیں ہم ایک منتخب وزیراعظم کے ماتحت بیٹھے ہیں۔ ہمیں اگر یہ سوچنا ہے کہ آیا یہ

بادشاہت ہے اور کیا ہم ہاؤس میں جو ممبرز بیٹھے ہیں وہ بادشاہت کے تحت چل رہے ہیں۔ تو میں یہ عرض کرتا ہوں کہ ایسے الفاظ اکیلے ان کے نہیں یہ سارے نظام کی توہین ہے اور ہاؤس کی توہین ہے۔ بہرحال ان کو حذف کیا جائے۔

Mr. Presiding Officer: The words[+++++++] should be expunged and I would request the speaker to please refer her as Prime Minister.

جی بہرہ ور سعید صاحب۔

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل : میں عرض کرنا چاہتا ہوں جناب والا! ہماری وزیراعظم، پارلیمنٹ کے ایک ممبر کی حیثیت سے ہیں اور پھر یہ بھی صحیح ہے کہ محترمہ کے خاوند زرداری ہیں تو یہ ایک امر واقعہ ہے کہ ہمارے ملک میں بلوچ ٹرائبل ایک آنریبل ٹرائب ہے۔ لیکن یہاں جس انداز میں پیش کیا گیا وہ ذرا توہین آمیز ہے اس لئے اس انداز میں پیش ہونا نہیں چاہیئے تھا۔ بالکل یہ امر واقعہ ہے کہ زرداری ہمارے دوست ہیں بلوچ بڑے honorable tribe ہیں زرداری قبیلے میں بھی بڑے عظیم لوگ ہوئے ہیں تو ایسی کوئی بات تو نہیں ہے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید: راہنمائی کا شکریہ۔ میرے پاس تو وزیراعظم صاحب کا نام لینے کے دو طریقے ہیں ان میں سے ایک تو انہوں نے فرمایا، دوسرے طریقے سے میں ان کو بیگم زرداری صاحبہ کہتا ہوں۔ کیونکہ اس (بھٹو) خاندان کے ساتھ ریلیشن ختم ہو گئے۔ وہ دوسری فیملی میں گئیں وہ چیز الگ ہے۔ دیکھئے میں آپ کا خیال سمجھتا ہوں جو یہ میرے دوست میرے بھائی کہتے ہیں وہ ہی سہی۔ میں یہاں یہ عرض کروں گا۔ میرے دوست کہتے ہیں کہ یہ ہاؤس کی توہین ہے، کسی خاتون کو ملکہ کہنا کیا ہاؤس کی توہین ہے۔ ملک کی توہین نہیں ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: میں آپ سے یہاں یہ درخواست کروں گا کہ جو متن ہے تقریر کا اس پر آپ توجہ کریں

It has already been decided to expunge these words.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ یہ جو ہمارا جوہری پروگرام ہے یہ ہماری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ ہماری پاس ڈیفنس کی جو موثر ٹیکینکس ہیں، ہمارے پاس جوہری طاقت ہے۔ وہ ہونی چاہیئے ہمارے پاس گرپ اتنی نہیں ہے مگر اس گرپ کے راستے میں روڑے اٹکائے جاتے ہیں جس طرح کہ اسلام آباد سے پشاور تک موٹر وے کو بند کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ یہ نہ ہو تو یہ راستہ کھل جائے گا۔ اس طرح سے ڈائریکٹ ہمیں افغانستان سے راستہ ملے گا اگر خدانخواستہ جنگ ہو تو اس راستے میں مشکلات پیدا کی جا رہی ہیں۔ ہماری حکومت کو اسے یہیں روک دینا چاہیئے۔ بلکہ ہماری حکومت ان کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہے۔ اس میں شریک ہے۔ جناب والا! جو میں نے عرض کیا تھا وہ یہ ہے .....

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: سعید صاحب آپ نے تقریباً آدھا گھنٹہ avail کر لیا ہے۔

You havg already spoken for 20 minites because I was mindful........

اخونزادہ بہرہ ور سعید: معاف کیجیئے گا سر!

Mr. Presiding Officer: Please wind up after taking two or three minutes.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: جناب والا! میں مؤدبانہ عرض کروں گا۔ ابھی تک تو میں نے بہت گہرے مسائل کو نہیں چھیڑا ہے۔ اس سلسلے میں گزارش ضرور کروں گا۔ اگر آپ

مجھے اس کے لئے وقت نہیں دیں گے تو میں سمجھوں گا کہ میرے ساتھ زیادتی ہے۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جیسے کہ آپ کو معلوم ہے جی کہ ٹائم ٹیبل فکس کیا گیا ہے۔ جس کے لئے آپ نے بحث کی ہے اس میں 30 منٹ آپ نے لے لئے ہیں۔ اور 30 منٹ کسی دوسرے ممبر کے ہیں۔ دیکھیئے جی میں نے عرض کیا آپ نے 30 منٹ لے لئے ہیں۔ دو چار منٹ اور لے لیں۔ کیا آپ نے ڈبل ٹائم لینا ہے۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید: ڈبل بھی میرا حق ہے۔ تاکہ ان کو علم ہو سر.....

Mr. Presiding Officer: I think you kindly restrict yourself to the subject. This is my common request to you. All the members would like to take the time which is allotted to them and if you make exception to this rule then you will have to make an exception for everybody. Then there is no point in having their pre-planned decision that we will fix ourselves to the time allotted to each member. So, there is no point in having that decision. So, please speak for 5 minutes.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: ذرا مہربانی کرکے میرے ساتھ تحمل سے کام لیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: میں آپ کو صرف پانچ منٹ مزید دے سکتا ہوں۔

اخونزادہ بہرہ ور سعید: پانچ منٹ کو اس ڈسکشن میں لگ گئے۔آپ ذرا مہربانی کریں۔ کوئی بات نہیں۔ جناب والا! اب یہ امن و امان کا مسئلہ واقعی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ اگر کسی ملک میں امن و امان نہیں ہوگا تو کسی شہری کی زندگی اور عزت محفوظ نہیں ہے

وہاں پہ قانون کی حکمرانی نہیں ہے- تو پھر اس ملک میں صنعت و حرفت وغیرہ بھی ترقی نہیں کرسکتی- اس میں اصلاح بھی بڑی مشکل ہے اور اگر یہ مشکل ہو جائے تو بے روزگاری اور زیادہ ہو جائے گی- لیکن امن و امان کا جس کی کتنی تعریفیں کی جاتی ہیں- میں ایک چیز پوچھنا چاہتا ہوں- مسلم لیگ کے صدر میاں نواز شریف سابقہ وزیراعظم پر جب قاتلانہ حملہ ہوا- جب ان کے گارڈوں میں سے ایک شدید زخمی ہو کر ہسپتال میں فوت ہوگیا تو کیا وہ ڈرامہ تھا- نہ گھر میں نہیں تھا وہ اس روڈ پر حملہ ہوا- کیا وہ ڈرامہ تھا یہ نواز شریف ان ڈراموں کے عادی نہیں ہیں- ڈرامے اور لوگ کرتے تھے کہ جہاز میرا اڑانا چاہتا تھا- میں لاہور سے جا رہا ہوں لاڑکانہ جہاز اڑانے کی تقریب میں اپنے دوستوں کو، اس حکومت سے درخواست کروں گا کہ وہ ہر ایک پاکستان کی جان و مال کی حفاظت کرے خاص کر جو ایک بین الاقوامی شخصیت ہیں اور پھر وہ ایک اس پارٹی کے صدر ہیں جس نے یہ ملک حاصل کیا ہے- اچھا ڈاکٹر صاحب- ڈاکٹر ادھر بھی ادھر بھی- تو جناب والا! تو اس پہ حملہ، اگر اس کا خاطر خواہ بندوبست نہ کیا گیا تو پھر کوئی ہیڈ آف دی پارٹی چاہے وہ جس پوزیشن میں بھی بچ نہیں سکے گا اور ہم بھی اس جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں- ہم اس کے ایک ایک بال کے بدلے میں ہزار ہزار قربانیاں دے دیں گے- اس ملک میں افراتفری پھیل جائے گی- اگر اس چیز کو بند نہ کیا گیا اور ہم اس کو برباد نہیں کریں گے-

جناب والا! یہ زراعت کا مسئلہ اس پہ آپ اگر مجھے اجازت دیں- اس پہ بہت لمبی چوڑی بات تو نہیں ہے- میں اس میں یہ کہوں گا- میں اپنی اس پرانی پوزیشن کے ساتھ جو میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، اعادہ کرتا ہوں کہ

On the whole Pakistan is not a conqured territory.

اور مفتوحہ علاقے میں اسلام کی رو سے زمین کی مالک حکومت ہوتی ہے- اسٹیٹ اس میں نہ تو جاگیردار ہوتا ہے اور نہ غیر حاضر زمیندار- اس لئے کہ ساری خرابیاں جو لوگ گن گن کر بتا رہے ہیں ان کا علاج کیا جاتا ہے- یعنی یہ کہ زمین ان کے حوالے کی جائے جو اس پر کاشت کرتے ہیں اور جب زمین اس کے حوالے کر دی جائے گی تو سارے مسائل ختم ہو جائیں گے- اگر ایسا نہیں کر سکتے تو جو ٹیکس تجویز کیا گیا ہے وہ بہت کم ہے- میں سمجھتا

ہوں کہ کم از کم دس فیصد ٹیکس عائد ہونا چاہیئے۔ میں یہ کہوا گا کہ یہ اصلاحات کا پیریڈ ہے۔ اصلاحات کس چیز کی۔ کس چیز کی وہ اصطلاح کریں گے۔ میری بغل میں میرا ایک دوست بیٹھا ہوا ہے وہ اس سے پہلے اس کی اصطلاح کریں گے یا میری اصلاح کریں گے یا کسی اور وزیر صاحب کی اصلاح کریں گے۔ یہ اصلاحات کی بات چھوڑ دیں۔ جتنا ہو سکے اتنا گزارہ کر لیجیئے۔ لیکن ہماری یہ خواہش ہے دعا ہے کہ وہ اور ہم مل کر اس ملک کو چلائیں۔ اور یہ جمہوریت جو لنگڑی، لولی جمہوریت ہے میرا تو یقین نہیں ہے کہ واقعی لوگوں کو یہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی جائے گی اگر یہ ہوسکتا ہے۔ اور یہ تب ہو گا کہ خلوص نیت کے ساتھ ہماری طرف سے، ہمارے لیڈر کے خلوص میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ شک و شبہ اگر ہے تو وہاں ہے جہاں سے یہ چیزیں نکلتی ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ گوادر کی deep sea port جو سارے مراحل تکمیل سے گرزی ہے، کنٹریکٹ بھی ہو چکا ہے۔ پیسے بھی تیار ہیں.....

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جناب مہربانی کر کے اس کو ختم کریں۔
You are mearing the limit of 45 minutes.

اخونزادہ بہرہ ور سعید: اچھا جناب، یہ میرا آخری آئیٹم ہے میں جناب حکم کا غلام ہوں۔ میں عرض کر رہا ہوں کہ بلوچستان کو کس سزا میں، deep sea port سے محروم کیا جا رہا ہے۔ جب کہ Doutch consortioum کو ٹھیکہ دیا گیا ہے۔ سب terms and conditions طے ہو گئے ہیں۔ پیسے بھی تیار ہو گئے ہیں اور آفر کی گئی ہے مشینری بھی تیار ہے۔ صرف ایک سگنل ہے۔ وہ کب یہ حکومت جس کو یہ جمہوری حکومت کہتے ہیں دے گی۔ میں یہ پوچھتا ہوں اس کو کیوں شیل کیا گیا ہے۔ یہ جواب دیں اور صحیح جواب دیں اس سے انکار..... نہ کریں اس سے ملک کو بڑا نقصان پہنچا ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ دوسرا پورٹ بنانے کی یہ اس واسطے جسارت نہیں کرتے ہیں تاکہ ملک کا دفاع مضبوط نہ ہو کیونکہ اس سے ہندو اور یہود ناراض ہونگے۔ ہندو اور یہود کی ناراضگی کی وجہ سے وہ گوادر پورٹ کو اب go ahead والا سگنل نہیں دے رہے--

جناب والا! میں عرض کروں گا کہ صدر گرامی قدر سے خطاب میں وہ تو آپ مجھے موقع نہیں دیتے کہ میں ہر ایک آئٹم تفصیل کے ساتھ بیان کروں۔ بہرکیف آپ نے بڑے صبرو تحمل سے مجھے سنا۔ میرا اس سے اختلاف ہے سیاسی مسائل کا سلجھاؤ سیاسی صورت حال اور سوجھ بوجھ سے ہو سکتا ہے یہ عدالتوں کا کام نہیں ہے کہ سیاست کو وہ عدالتوں میں سلجھائیں اور اس کا اطلاق ملک کی سیاست پر کیا جائے۔ وہ مسئلہ آپ کے سامنے ہے اور بات سمجھنے کی ہے کہ فیصلہ عدالت نے کچھ کیا، سیاسیات کے رخ نے فیصلہ کچھ دیا اور آج وہی حکومت جسے یہ کہا جا رہا تھا کہ وہ صحیح تھی، دستوری تھی قانونی تھی حقدار تھی وہ نہیں ہے۔ یہ بات سوچنے کی ہے۔ جہاں کہیں بھی یہ مسئلہ پیدا ہوا تو میں یہ دعوے سے کہوں گا کہ عدالتوں کا کام قانون کی تشریح کرنا ہے نہ کہ سیاسات کے رخ کا تعین کرنا ہے، سیاسیات میں مداخلت کرنا ہے۔ سیاسی مسائل کا حل سیاسی طریقہ کار سے ہے نہ کہ عدالتی فیصلوں سے تاریخ نے یہ بتلا دیا ہے کہ جو فیصلہ مولوی تمیزالدین کیس میں ہوا وہ سیاسی نہیں تھا، وہ ایک عدالتی فیصلہ تھا چاہے وہ کتنا ہی اچھا فیصلہ کیوں نہیں لکھا گیا لیکن اس کے نتائج اس کے برعکس تھے۔

اسی طریقہ سے یہ کل کی بات ہے کہ دس اور ایک کا فیصلہ تھا۔ ایک جانب ایک جج تھا اور دس ایک طرف تھے لیکن حالات اور واقعات نے ثابت کر دیا تھا کہ حالات سیاسی تھے، واقعات سیاسی تھے۔ عدالتی قانون نے اس کو نہیں بھانپا۔ قانون کے پاس آنکھیں نہیں ہوتیں۔ یہ سیاسیات جو مسائل پیدا کرتی ہے۔ وہ سیاسی سوجھ بوجھ سے سلجھایا بھی جا سکتا ہے۔ ویسے بھی یہ آپ کو معلوم ہے کہ یہ موجودہ ایوان اور موجودہ قومی اسمبلی سیاسیات کے حل سے وجود میں آئی اور فیصلہ عدالت میں ہوا۔ وہ صحیح نہیں تھا۔ اس کا فیصلہ عوام نے رد کر دیا تھا۔ اب یہاں پر یہ کہا جا رہا ہے، میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ جو صورت حال 1990 کے انتخابات میں ہوئی۔ ایک معزز رکن نے وہ 1993ء کے صاف و شفاف انتخابات پر مسلط کرنے کی کوشش کی۔ میں اس کا مشکور ہوں وہ جو چیز اس وقت انتخابات میں آپ کے سامنے ہوا کہ آپ بھی ہم میں سے ہیں۔ ہمارے ساتھی ہیں۔ اس معزز ہاؤس کے رکن ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ 1990ء میں جب حکومت برخاست ہوئی تو کن کو نگران

حکومت بنایا گیا۔ خالصتاً اپوزیشن یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ صوبوں میں کن کی حکومت قائم کی گئی۔ انہی لوگوں کی جو مخالفت میں تھے اور اپوزیشن میں تھے۔ بڑا مشکور ہوں اور پورے ہاؤس کا میں مشکور ہوں کہ اس نے مجھے سنا۔ میں ٹوٹے پھوٹے وعدے کرتے ہوئے، آپ سے اجازت لیتا ہوں۔ شکریہ۔ السلام علیکم۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: شکریہ جناب! اخونزادہ بہرہ ور سعید صاحب اس کے بعد جو نام ہے ایک ہے جناب عبدالقیوم صاحب کا، یہ ہاؤس میں نہیں۔ تو ان کے بعد ہیں ملک عبدالواحد خان صاحب یہ بھی ہاؤس سے باہر ہیں۔ اب ہم ڈاکٹر شیر افگن کی طرف آتے ہیں۔ جناب ڈاکٹر شیر افگن۔ جتوئی صاحب آن پوائنٹ آف آرڈر آپ کریں پوائنٹ آف آرڈر۔ (مداخلت) ایک منٹ ڈاکٹر شیر افگن نیازی صاحب۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: بسم اللہ الرحمان الرحیم جناب چیئرمین! میں چند مسائل پر گزارشات کرنا چاہتا ہوں۔ اور وہ مسائل معزز اراکین نے بھی اٹھائے ہیں۔ ہر ایک معزز رکن کا اپنا نقطہ نظر ہے۔ اپنے زاویے سے اس پر انہوں نے روشنی ڈالی۔ یہ سوچ کی بات ہے۔ پہلے میں بسم اللہ اسی سے کرتا ہوں کہ ملک میں اسمبلیوں کے ٹوٹنے کی بڑی طویل تاریخ ہے اور افسوس کہ اس طویل تاریخ کے پہلے باب کو ہم نہیں لیتے۔ جن کا لینا بہت اہم ہے۔ پہلی اسمبلی جب توڑی گئی تو اس کے خلاف مولانا تمیزالدین نے اپنی پٹیشن دائر کی اور جو فیصلہ وہاں سے آیا تو اس فیصلے کو اب تک ہماری قوم نہیں مانتی اور یہی وہ بات ہے جس سے یہ بھی المیہ ملتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان کے تصادم کا آغاز ہوا اور اس طریقہ کار سے جو 1971 سے رائج ہوا اور ہمارا ملک دو لخت ہوا۔ تو بات سمجھنے کی یہ ہے کہ جہاں 1988 کی اسمبلی کے توڑنے کی بات کی جاتی ہے اور پھر 1990 تو ان میں تضادات ہیں سوچ لیں یہاں پر یہ کہا گیا کہ وہ اسمبلیاں جو مسلم لیگ کے حکومت کے دور کی تھیں اور مسلم لیگ حکمران تھی وہ صحیح ٹوٹیں بقیہ غلط ٹوٹیں۔ بات یہ ہے کہ اس میں ایک چیز سمجھنے کی ہے کہ آیا واقعی اسمبلیاں توڑنا یہ جائز کام تھا۔ یہ صحیح بات تھی یا یہ غلط تھی تو مجموعی طور پر یہ اب ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اسمبلیوں کا توڑنا بنیادی طور پر ایک بڑا ناپسندیدہ فعل ہے۔ بلکہ اسمبلیوں کی تو مشکل وقت میں ضرورت پڑتی ہے۔ ان میں بیٹھ کر قومی مسائل کو سلجھایا جا سکتا ہے۔ بلکہ ان کو بگاڑا نہیں جاتا۔ اس لئے میں یہ کہتا ہوں کہ اسمبلیوں کو توڑنے کے بارے میں جو ہماری عدالتوں نے فیصلے دیئے ایک کے

بارے میں فیصلہ دیا کہ یہ صحیح ٹوٹی اور ایک کے بارے میں یہ فیصلہ دیا کہ یہ غلط ٹوٹی- یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ پورے طور پر مشینری کو استعمال کیا گیا، یہ بھی آپ جانتے ہیں کہ بھرپور طور پر فنڈز دیئے گئے، انتظامیہ سے لے کر انتخابی عمل تک تمام یکطرفہ صورتحال رہی، اور اس کے نتائج کیا تھے، صاف شفاف کیے جا سکتے تھے؟ اس کی مثال، اس کی وضاحت 1993 ء کے انتخابات نے کر دی کہ جو لوگ 1990ء میں وہاں سے خارج کئے گئے وہی واپس آئے، اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر دعوی دوسری پارٹی کا درست ہوتا اور جیسا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ لوگوں کی خدمت ہو رہی تھی، فنڈز مہیا کئے جا رہے تھے، اگر وہ سچ اور حق پر ہوتے تو میں یقین سے کہتا ہوں انہی کی حکومت بنتی، انہی کے ممبران واپس آتے، ہم کیسے اس ہاؤس میں آتے، یہی دلیل کافی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے کہ شاہکار تھے 1990ء کے انتخابات دھاندلی میں، جن میں compute ہوا، جن میں آئی ایس آئی استعمال ہوئی، جن میں پریذیڈنٹ سیل بنا، جس میں تمام حکومتی وسائل لوگوں کی اعانت کے لئے، اسلامی جمہوری اتحاد کے لئے استعمال ہوئے، اور یہ واضح حقیقت ہے، ننگی حقیقت ہے اور جب بھی شفاف انتخابات ہوئے ہیں، اس کے نتائج مختلف نکلے ہیں- ان لوگوں کے جو اب دعویدار بنتے ہیں کہ ہم جناب اس مسلم لیگ کے ہیں یا اس مسلم لیگ کے مالک و خالق ہیں جس نے پاکستان بنایا، تو اس مسلم لیگ کا اس سے کوئی تعلق نہیں- یہ تو مارشل لاء سے نکلی ہوئی مسلم لیگ ہے، اور میں ایک سابقہ وزیر اور اپنے ساتھی کے اس خوبصورت بیان کو یہاں پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جب اس سے ہم نے پوچھا جس وقت یہ مسلم لیگ تشریف لا رہی تھی تو اس نے اس وقت کے وزیراعظم سے کہا کہ جناب وزیراعظم آپ کس مسلم لیگ کی بات کرتے ہیں یہ وہ مسلم لیگ جو اکثر بنتی ہے، جو چور دروازے سے ایوان اقتدار میں مارشل لاء کی بیساکھیوں سے داخل ہوتی ہے اور اقتدار کی دلہن بن کر ہمیشہ سامنے دروازے سے برآمد ہوتی ہے- تو یہ مارشل لائی مسلم لیگ تو کہی جا سکتی ہے- مارشل لائی جو مسلم لیگ ہو گی تو اس کے چاہنے والے مارشل لائی پروردہ ہوں گے- اور یہ دعوی کرنا کہ ہم جمہوریت کے لئے بہت کچھ کر رہے ہیں، جنگ لڑ رہے ہیں یا لڑ سکتے ہیں، میں نہیں مانتا- یہ قانون فطرت کے خلاف ہے یہ بات کہ آپ اگر جو بیجتے (بوتے) ہیں تو جو ہی آپ کاٹیں گے، گندم بیجیں (بوئیں) گے تو گندم آئے گی- مارشل لاء کے زور سے پلی ہوئی مسلم لیگ وہ پاکستان کی خالق مسلم لیگ کی جگہ لے لے یا اس کے تصورات یا اس کے خیالات کی دعویدار بن جائے، یہ اصولی طور پر مسلم لیگ کی تضحیک اور توہین ہے، یہ تاریخ بتا رہی ہے جس نے جس گود میں پرورش پائی ہے اس کی عادات و خصائل بھی وہی ہیں، جو لوگ مارشل لاء کی گود میں بیٹھ کر اقتدار میں آئے اور اقتدار میں رہے مسندِ اقتدار کے اعلٰی عہدے پر پہنچے، یہ کیسے تصور کر لیا جائے کہ ان کے خیالات جمہوری ہوں گے، عوامی ہوں گے، عوامی حقوق والے ہوں

گے، عوام کے حقوق کے لئے لڑیں گے،

میں یہ بات کہوں کہ بات سمجھنے کی ہے، اس کی میں مثالیں دوں گا کہ اب انہوں نے یہ کہا کہ سابقہ حکومتوں نے یا پاکستان پیپلز پارٹی نے روٹی کپڑا مکان کا نعرہ دیا تو آیئے ہم دیکھتے ہیں کہ وہ نعرہ ان کا کیا تھا، ان کا نعرہ سیدھا سا تھا کہ ہم جناب اسلامی نظام لا کر رہیں گے اور لا رہے ہیں، اگر ہمیں اقتدار دیا گیا تو ----- بلکہ میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ اس معزز ایوان میں مولانا صاحب تشریف فرما ہیں ان کا ایک شریعت بل پاس کیا گیا، یہ بات سیدھی سی ہے کہ جب اسلامی جمہوری اتحاد بنا تو نکتہ اولین جو منشوری تھا کہ اس بل کو من و عن ہم ملک میں نافذ اور جاری اور اطلاق کریں گے، اور اس کے ثمرات سے قوم بہرہ ور ہو گی، اور کیا کہا گیا، کہاں سے کہا گیا خانہ کعبہ سے۔ وہاں کھڑے ہو کر اللہ کے گھر سے، کہ آپ یقین رکھئے کہ ہم وہ کریں گے اور اس کے بعد خانہ کعبہ۔ یہ میں پاکستان کی بات کر رہا، اطاعت کی بات کی گئی، ساری پارٹیوں نے عہد کیا، ان کا ایک دستور بھی تھا کہ اس کی ہر ماہ ایک میٹنگ ہو گی سپریم کونسل فیصلے کرے گی، حکومت اس کے ساتھ چلائی جائے گی اور خدا اور رسول کے نام پر لوگوں سے ووٹ لئے گئے، جس میں ملاوٹی ووٹ بھی شامل تھے۔ اب ان کا نعرہ کیا تھا خدا اور رسول کے نام پر لوگوں سے ووٹ حاصل کئے گئے، اسلام کے نام پر لوگوں سے ووٹ حاصل کئے گئے کہ اسلام نافذ ہو گا۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اس شریعت بل کی ایک شق بھی انہوں نے 3 سالہ دور میں نافذ کی اس کا جواب ملتا ہے کہ جناب نہیں۔ کچھ نہیں کیا۔

شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص ، جو فرقہ اور گروہ خدا اور رسول کے دین کے حوالے سے اقتدار کے لئے جو کچھ کرتا ہے اور وہ پھر مخلص نہیں ہوتا وہ ریا کار

ہے، میں سمجھتا ہوں اور دعویٰ سے کہتا ہوں کہ آپ کسی ریفرنس یا حوالے میں علماء کرام کے پینل مقرر کریں اور اسی ایک نکتہ پر اگر تفتیش کروائیں، اس کی انکوائری کروائیں، اس کو آخری مقام تک لے جائیں تو ہمیں یہ محسوس ہو گا کہ خدا اور رسول کا نام لے کر عوام کے ووٹ لئے گئے۔ جب مسند اقتدار میں آئے تو انہوں نے ایک بھی اسلامی شق اس بل کی پاس نہیں کی، نہ اطلاق کیا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جناب یہ اسلامی فلاحی مملکت بنائیں گے، کیونکہ ہم خالق جماعت ہیں۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کے نام پر حاصل کی گئی ہے اور یہ کہتے ہیں کہ لا الہ الا اللہ کے اس نعرے پر حاصل کی گئی ہے۔ لہٰذا اس پر ہم عمل کریں گے۔ لیکن انہوں نے بہت نیک کام کئے، اسلام کی بڑی خدمت کی۔ وہ کیا تھا کہ سودی نظام کو وفاقی شرعی عدالت میں تشریحاً یہ بات تھی ورنہ قرآن کریم میں چار جگہ پر واضح طور پر لکھا ہے کہ سود حرام ہے۔ کسی شکل میں بھی حلال قرار نہیں دیا جا سکتا۔ تو جب وفاقی شرعی عدالت نے یہ کہا کہ سود حرام ہے اس کو فوراً بند کر دیا جائے تو یہ کہاں گئے، اس کے خلاف سپریم اپیلنٹ کورٹ میں چلے گئے، وہاں سے stay لے لیا۔

جناب والا! دوسرے حالات اگر آپ مطالعہ فرمائیں تو آپ کو محسوس ہو گا جناب چیئرمین کہ نہ صرف یہ کہ دین اسلام کی ترویج، تشریح اور اطلاق اس ملک میں ان کا دعویٰ تھا جو بھی سکیم بنائے گی، میں عالم دین نہیں ہوں لیکن اتنی بات میں سمجھتا ہوں، اللہ کے کلام میں یہ درج ہے واللہ خیر الرازقین وہ یہ کہتا ہے کہ رزق بہتر طریقے سے میں آپ کو دیتا ہوں۔ یہ بات بالکل صاف اور ستھری ہے۔ جب یہ لوگوں کو رزق دینے لگے تو 18 سے 22 فیصد سود تھا۔ جو بھی بیروزگار سکیم بنائی گئی 18 سے 22 فیصد سود پر۔ یہ خدا اور اس کے رسول کے خلاف کھلی جنگ تھی۔ قول اور فعل میں تضاد تھا، یہ اقتدار میں آنے اور پیسہ بٹورنے کے لئے ---- چونکہ ان کی سیاسی پرورش نہیں تھی یہ مارشل لائی گود میں پلے ہوئے تھی اور اس مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے جو صبح کچھ کہتا تھا اور شام کچھ کہتا رہا اور 12 سال تک اپنی قوم کو الو کا پٹھا بناتا رہا۔ جو خدا اور رسول کا نام لے کر حکومت

کرتا رہا، اور جس نے انسانیت کو کچلا، جس نے انسانیت کے اصولوں کو کچلا، جس نے آزادیوں کو کچلا، بے گناہ لوگوں کو پھانسی پر لے گیا، اور ایک منتخب وزیراعظم کو بلاوجہ اس نے پھانسی کا پھندہ دیا، اور یہ اس کا کہنا تھا، اور یہ اس کے پیروکار تھے، یہ اس کے حواری تھے۔

جناب پریذائڈنگ آفیسر : جی جناب ڈاکٹر ریحان صاحب۔

ڈاکٹر محمد ریحان : جناب جو لفظ انہوں نے کہا کہ قوم کو الو کا پٹھا بناتا رہا، یہ غیر پارلیمانی ہے اس کو کارروائی سے expunch کیا جائے۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: ساری قوم کو بے قوف بنایا آنکھوں میں دھول جھونکی ان سے دھوکہ کیا اس لئے اب یہ کافی چیزیں یہاں لگ رہی ہے جنرل آصف نواز کی موت کے حوالے سے انتخابات کے دوران ایک سیاسی جماعت کو بدنام کیا گیا۔ جناب چیئرمین! میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں ان حضرات سے اپنے معزز اراکین سے، جب 1990 میں حکومت برخاست ہوئی تو کتنے الزامات لگائے گئے کتنے ریفرنسز بنائے گئے اگر آپ واقعی آپ صاف ستھرے ہیں تو آپ نے اس پر احتجاج ہی نہیں کیا آپ نے ان ریفرنسز اور ان حوالوں کا کبھی حوالہ نہیں دیا کہ وہ بھی ظلم تھا یہ ظلم ہے۔ اب تک وہ ریفرنسز زندہ ہیں، عدالتوں میں ہیں اور چل رہے ہیں، اور کبھی یہ نہیں فرمایا ان میں سے سارے کے سارے تقریباً جھوٹے ہیں۔ میرے خلاف بھی سات مقدمے انہوں نے قائم کرنے کی کوشش کی لیکن شکر ہے اللہ کا کہ انہیں منہ کی کھانی پڑی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں یہاں وضاحت کرنا چاہتا ہوں کہ خدارا دو رنگی میں مت دیکھئے دوغلی پالیسی مت اپنایئے اپنے لئے حلوا مانڈہ پسند کرتے ہو اور لوگوں کو خاک کھلانے کی سوچتے ہو، اگر خود حلوا مانڈہ پسند ہے تو دوسروں کے لئے بھی پسند کرو، آپ دوسروں پر کیچڑ اچھالتے تھے۔

اب یہ آج تک الزام لگا رہے ہیں اب بھی کہہ رہے تھے ایک صاحب "ادھر ہم

اور ادھر تم" کیا ایک شخص کوئی ملک توڑ سکتا ہے کبھی نہیں توڑ سکتا حقائق اور واقعات تھوڑی سی بات میں اس پر کرنا چاہتا ہوں مشرقی پاکستان میں ہمارے حالات اتنے مخدوش تھے کہ ہوائی فوج ختم ہو چکی تھی اور بحری ناکہ بندی ہو چکی تھی جو قلیل بری فوج وہاں موجود تھی قلعہ بند ہو وہ محدود ہو کر رہ گئی تھی چاروں طرف سے گھر چکی تھی ساتھ ہی وہاں کی عوام مخالف ہو چکی تھی حالات خراب تھے ان کے جینے اور زندہ رہنے کا کوئی مسئلہ ہی باقی نہیں رہا تھا، مغربی پاکستان میں کیا ہوا چھیالیس جنرل تھے ہوائی فوج تھی، بری فوج تھی، نیوی تھی، 576 دیہات ہم سے گئے اور صدر نکسن نے یہ کہا کہ اگر میں اندرا کو نہ روکتا تو مغربی پاکستان دشمن فتح کر لیتا اور پاکستان ختم ہو جاتا اس پر ان کی کیا رائے ہے " ادھر ہم ادھر تم" کی باتیں تو کرتے ہیں ادھر کی باتیں کریں ادھر کیوں جاتے ہیں پہلے ادھرسے صفائی پیش کریں کہ یہ سارے کوائف ہونے کے باوجود یہاں کے لوگ پاکستانی تھے محب وطن تھے دشمن نہیں ہوچکے تھے جان دینا جانتے تھے پھر یہ کیوں حادثہ ہوا کہ 576 دیہات ہندوستانی فوجوں نے ہم سے چھین لیے اور یہاں بھی شکست ہونے کا پوری طرح سے امکان ہو چکا تھا اور یہی بات نکسن نے کہی۔ نکسن کو آج تک ہم نے نہیں جھٹلایا، باتیں بنانا آسان ہے، "ادھر تم ادھر ہم" یہ "نوائے وقت" کا کارنامہ تھا یہ تاریخ بتلائے گی، ریسرچ کریں، یہ فقرہ بھٹو صاحب نے نہیں کہا تھا - یہ "نوائے وقت" نے دوسرے دن اس جلسے کے بعد خود سرخی لگائی اور میں معذرت سے کہتا ہوں کہ اس بات کی تصدیق آج تک بہت سے لوگوں نے نہیں کی، یہ واقعات ہیں۔

اب یہ فرما رہے ہیں کہ جناب والا! نام نہاد وزیر اعلیٰ نام نہاد مشیر اعلیٰ، افسوس کہ 1988 میں ایک وزیر اعلیٰ نے وفاق پر حملہ کیا ہر طرح سے۔ اس وقت تو ضمیر نہیں جاگا ان کا کہ یہ جمہوریت پر حملہ ہے، ایک منتخب حکومت پر حملہ ہے بلکہ اس کو ہر طریقے سے اعانت کی گئی اس لئے کہ ان کا کام بن رہا تھا اور پھر ان کا یہ کہنا میں نہیں مانتا بلکہ یہ عوام کے ووٹ کی، مینڈیٹ کی توہین کرتے ہیں، عوام کی توہین کرتے ہیں یہ حکومت جو غاصبانہ طریقے سے مسلط نہیں کی گئی نہ 1988 میں کی گئی تھی نہ 1993 میں کی گئی ہے، ہم عوامی منتخب نمائندے ہیں، ہمیں اکثریت کے ووٹ ملے ہیں اور اکثریت میں

ہونے کی وجہ سے یہ حکومت معرض وجود میں آئی ہے۔ جو شخص اس سے انکار کرتا ہے اس کا مطلب ہے وہ جمہوریت پر یقین ہی نہیں رکھتا، وہ وہی سوچتا ہے کہ وہ مسلط ہو یہ ہمیشہ ڈکٹیٹر اور ڈکٹیٹر کے حواریوں کی سوچ ہوتی ہے۔ جو جمہوریت کو تسلیم نہ کرے۔

اب یہاں ایک بات اور بھی میں نے سنی کہ جناب والا! اب ان ہاؤسز سے ہر چیز پوچھ کر کی جائے تو جناب والا! عوام الناس نے ہمیں اکثریتی ووٹ دیئے ہیں جس سے ہماری حکومت وجود میں آئی ہے تو کیا یہ مینڈیٹ نہیں ہے ان کا کہنا نہیں ہے جو پاکستان پیپلز پارٹی جس نے منشور پیش کیا ہے عوام الناس کے سامنے اس منشور کی عوام نے توثیق کی ہے۔ اب یہ کیا چاہتے ہیں ہمارے منشور کو ووٹیں ملیں ہمیں اپنے کردار پر ووٹیں ملی ہیں اور اس وجہ سے اللہ پاک نے ہمیں حکومت دی ہے، انہوں نے کب دی ہے، انہوں نے تو مخالفت کی تھی، یہ اللہ پاک کا کرم ہے ان کو ایک آیت کا ترجمہ سنانا چاہتا ہوں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے، جسے چاہتا ہے، ذلت دیتا ہے جسے چاہتا ہے گدا بناتا ہے، جسے چاہتا ہے وہ بادشاہ بناتا ہے، ساری رحمتیں نعمتیں اسی کی ہیں۔ قادر مطلق وہی ہے کیوں یہ آیت بھول جاتے ہیں۔ کیا یہ سوچتے ہیں، یہ باتیں بنانے سے حکومتیں نہیں ملتیں، یہ منفی رجحانات اور پراپگنڈہ سے باتیں نہیں چلتیں ۔

میں ایک بات اور کہنا چاہتا ہوں کہ جناب والا! شکر ہے کہ ایک معزز رکن نے یہاں تک تو مان لیا کہ ذوالفقار علی بھٹو وزیر اعظم پاکستان نے ایٹمی پروگرام شروع کیا تھا مجھے تو یہ بھی شک تھا کہ شاید وہ یہ کہتا کہ یہ ضیاء الحق نے شروع کیا تھا۔ مجھے یقین تھا جبکہ میں مشکور ہوں اب سو دفعہ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ رول بیک نہیں کیا گیا اور اگر کیا گیا تھا تو یہاں پر ایک سپیشل اجلاس بلایا گیا اور اس پر بحث مباحثہ ہوا اور اس کے درمیان ایک وقفہ ہے تین سال کا یا چار سال کا بلکہ اس نے تو بڑھا دیا۔ 89 سے اس نے کہا ہے کہ یہ رول بیک ہوا تھا 89 ، 90 ، 91 ، 92 ، 93 was foruth years

on going اور اس درمیان کون وزیراعظم تھا، اور کس کی حکومت چلتی رہی، انہی حضرات کی، یہ خاموش رہے، کیونکہ یہ مخلص تھے سچ بولنے والے تھے خدا اور رسول کا نام لینے والے تھے اور یہ اسلام پسند تھے اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ دوسری پارٹی سیکولرسٹ، میں پوچھتا ہوں کہ اسلام میں تو بنیادی اصول یہ ہے کہ سچ بولو اور سچ بلواؤ۔ یہ تین سال تک جناب چیئرمین! کیوں خاموش رہے، کیا مصلحت تھی؟ کیا چیز روک رہی تھی؟ کیا بات تھی جس کی وجہ سے یہ خاموش تھے۔ بات سمجھنے کی ہے کہ وہاں تو ہم نے لکھا ہوا ہے یہ حدیث مبارکہ "مسلمان کی تو یہ صفت ہے کہ وہ جابر سلطان کے سامنے بھی سچ بولتا ہے" جو خانہ کعبے کے سامنے کھڑے ہو کر خدا اور رسول کی بھی اجارہ داری اپنے ذمہ لگائے جو اسلام کا دعویدار بنے جو رسول کا شمع اور پروانہ کہلائے اسلام کا ٹھیکہ دار کہلائے اور چار سال تک مصلحت کی خاطر خاموش رہے یہ کون سی دینداری ہے؟ یہ کون سا اسلام ہے؟ مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتی اور پھر دوسری بات یہ ہے کہ اگر وہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں ان کا یہ دعوی ہے ان کا قائد وزیراعظم رہا ہے وہ بتلائے کب اور کس طریقے سے میں جنرل اسلم بیگ کے اس بیان کو کوئی واقعت نہیں دیتا جو 1988 سے 1990 تک سازشی رہا۔ جس نے یہی پیپلز پارٹی کی حکومت کو گرانے کے ہر طرح سے وعدے کئے اس لئے اس آدمی کی، اس کے بیان کی، اس کی کوئی وقعت نہیں، اس نے یہ عوامی حکومت برخاست کرانے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا ہم اس کی کسی بات پر یقین نہیں کرتے۔ ہم اس کی کسی بات کو تسلیم نہیں کرتے۔ ان کا اپنا رہنما فرمائے تب کس دن کس طرح سے کہا کیا رول بیک ہوا۔ کیا فریز ہوا، یہ نہیں بتا سکے اور جب یہ اسلام کے دعویدار ہیں تو یہ ان کو پتہ ہونا چاہیئے کسی سنی سنائی بات پر یقین نہیں کرنا چاہیئے، یہ حدیث پاکؐ ہے جب تک آنکھوں سے دیکھو پھر

بھی یقین نہ کرو مجموعی طور پر اس وقت یقین کرو جب یہ ثابت ہو جائے کہ بات سچی تھی۔

اب یہ وزیراعلیٰ کے بارے میں کہہ رہے تھے نام نہاد ہے منتخب تو نام نہاد ہیں ہاں اگر بات کرتے ہیں تو اصولوں اور حقائق پر کریں، دستور اور قانون پر کریں، یہ وضاحت اگر کوئی شخص فرمائے کہ فلاں قانون قاعدے کی شق توڑی گئی ہے اس کو پامال کیا گیا ہے پھر یہ تقرری کی گئی ہے تو بات ان کی سچی ہے، لیکن یہ تو پتہ نہیں بتلا سکے جب کوئی بھی حکومت قائم ہوتی ہے قانون دستور کے ساتھ ہوتی ہے۔

جناب والا! آپ جانتے ہیں مجھے تو ایک بھی ایسی بات ان کی باتوں سے سمجھ نہیں آئی جس میں انہوں نے کوئی قانون کا یا قاعدہ یا دستور کا ایک آرٹیکل بھی کورٹ کیا ہو کہ فلاں کی اس حکومت نے violation کی ہے اس پر عمل نہیں کیا یا اس کو توڑا ہے خالی باتیں بنانا اور خیالی پلاؤ پکانا بہت معمولی بات ہے۔ یہ تو صلاحیت والے بہت اچھی بناتے ہیں جو سلاحیت بیچتے ہیں ان کی تقاریر ہم سے بہت بہتر ہوتی ہیں، سانپ دکھانے والا دکھاتا ہی نہیں ہے اور باتوں ہی باتوں میں دکھا بھی دیتا ہے۔ حقائق کی بات کریں یہ پارلیمنٹ ہے، حقائق پیش کریں، یہ قوم کا مسئلہ ہے تو یہ زیادہ بہتر ہو گی۔

پرمٹوں کے اجراء کی بات شروع ہوئی جناب چیئرمین! آپ اس وقت کرسی جلیلہ پر متمکن ہیں آپ سے ہٹ کر یہ مسئلہ آپ کو پتہ ہے زیر بحث آیا ہے کہ جناب اس میں بھی میرا ایک سوال ہے کل بھی میں نے بات سنی ہے باتیں ہوتی رہیں دلائل دیئے جاتے رہے اب سیاسیات کی جب بات ہوتی ہے تو وہ مفادات کی بات بھی ہوتی ہے لیکن اس کو جب بھی پرکھا جائے گا اس کا ایک پیمانہ ہے ظلم کی بات ہو گی تو ہمیں قانون اور قاعدے کے حوالے سے بات کرنی ہو گی، کیا وفاقی حکومت نے کسی قانون قاعدے کو توڑا ہے۔ کسی قانون کی خلاف ورزی کی ہے، یا جو حقوق ہیں صوبائی حکومت کے قانونی، دستوری ان کے خلاف کام کیا ہے تو بات حقیقت ہے بات وہ سچی ہے لیکن میں نے کسی کے منہ سے یہ بات نہیں سنی کہ فلاں act of parliament یا act of provincial assembly کی

خلاف ورزی ہوئی ہے یا in the Constitution فلاں آرٹیکل کی خلاف ورزی ہے یا شیڈول میں جو آئیٹم دیئے گئے ہیں وہ فلاں آئیٹم violate ہوا۔ کوئی بھی نہیں صرف یہی ہے کہ وزن کیا ہے بات میں، جناب! وہ مخالف ہے اس لئے اس سے پاور لے لی۔ اس طرف کیوں نہیں سوچتے اور یہاں پر کہا گیا کہ جیالوں کو دیئے گئے کیا وہ جیالوں کے نہیں دے رہے تھے، یہ کیوں نہیں سوچا گیا کہ وہ سمگروں کو دے رہا تھا۔ بات ایک طرف کیوں سوچی جا رہی ہے کیوں حوالے سے نہیں سوچی جاتی، ہمارے وزیر داخلے نے بڑی وضاحت اور بلاغت سے بات بتلائی ہے، سمجھائی، سمجھانے کی کوشش کی اب اگر سمجھ میں نہ آئے تو اس میں وزیر داخلہ صاحب کا کیا قصور ہے، قصور ہمارے ذہنوں کا ہے جو قبول نہیں کرتے کیونکہ وہاں ہم jealous ہو چکے ہیں، بات سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، ہماری عینکیں مختلف رنگوں کی ہیں ان سے وہ رنگ ہم وصول کرنا ہی نہیں چاہتے ہماری سوچ کے زاویے مختلف ہیں جب وزیر داخلہ صاحب بات کر رہے تھے اس زاویے پر آپ دیکھنا ہی نہیں چاہتے ہم نہیں دیکھنا چاہتے اس وجہ سے ہم تضادات کا شکار ہیں ہمیں اب یہ زاویہ بدلنا ہو گا یہ رنگوں کے شیشے ہمیں بدلنے ہوں گے اگر ہم جمہوریت پسند ہیں، جمہوریت کے دعویدار ہیں، تو ہمیں ملکی مفادات سے سوچنا ہو گا۔

یہ جو صورتحال ہے جس سے ہم دوچار ہیں اس کی وضاحت میں کرنا چاہتا ہوں کہ دوسری قومیں اپنے مفادات کے حوالے سے فیصلے کرتی ہیں، ان کی پالیسیاں اپنے مفادات کے حوالے سے بنتی ہیں، ان کی سوچ ملکی سوچت سے متصادم نہیں ہوتی بلکہ اس کی مترادف اور ساتھ ساتھ چلتی ہے۔ ہمارا ایک مسئلہ ہے کہ ملکی مفادات کو ہم نے ذاتی مفادات اور انا کی بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ ہم جو سوچتے ہیں، ہم جو کہتے ہیں کہ جو قرآن شریف اور حدیث پاکؐ ہے چاہے دوسرے کی بات کتنی ہی سچی اور حقیقت پر مبنی کیوں نہ ہو۔ یہاں پر ایک سوچ ہو چکی ہے کہ بات تو ہم نے رد کرنی ہی کرنی ہے چاہے کسی منہ سے کہی گئی ہو۔ لیکن جب ہم اسلام کے دعویدار ہیں تو قرآن کریم اور ہمارے پیارے نبیؐ سے تو ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ اچھی بات اگر کوئی بھی کہے، کسی بھی طبقہ سے کہی گئی ہو اور جو بھی ہو انسانیت کے لئے اچھی ہو تو وہ قبول کی جائے۔

میں نے 88ء سے 93ء تک یہاں ایک بات دیکھی ہے کہ کیا الزام لگائے جا رہے ہیں۔ جناب والا! وہ یہ ہیں کہ پیپلز پارٹی آ گئی ہے یہ سیکولر ہے، یہ مسلمان نہیں ہیں جی، جو خرافات اور جرائم ہوتے ہیں یہی کرتے ہیں، مجھے آپ فرمائیں کہ جب اسلام پسند حکومتیں تھیں تو کیا قتل نہیں ہوئے؟ شراب نہیں پی گئی؟ جشن نہیں منائے گئے؟ خرافات نہیں کی گئیں؟ چوریاں نہیں ہوئیں؟ قوم کو لوٹا نہیں گیا؟ ییلوکیب ٹیکسی کی طرح سکیمیں اور وہ بھی سودی نظام پر مشتمل نہیں بنائی گئیں؟ کون سا کام کیا گیا؟ حضرت عمرؓ دکھاوے کے نہیں بننے کے لئے، اس کے لئے کردار چاہیئے میں اس کا موازنہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ جو عمر بن رہے تھے۔ حضرت عمر نے تو کوئی فیکٹریاں نہیں لگائی تھیں کوئی کارخانہ نہیں لگایا تھا۔ سودی نظام کے تحت بنکوں اور DFIs سے قرضے لے کر انہوں نے تو کوئی فارم تیار نہی کیا تھا۔ انہوں نے تو کوئی بنگلے اور محلات تیار نہیں کئے تھے۔ وہ لوگوں کے پاس جا کر ان کی بوریاں اٹھاتے تھے۔ یہاں پر یہ کہا جا رہا ہے کہ جناب ولا! کچی دیوار خود تعمیر ہو رہی ہے اپنی جیکٹ پیش کی جا رہی ہے تو دوسری طرف بھی دیکھئے حضرت عمرؓ کے پاس کوئی فیکٹری نہیں تھی نہ بنانے کی کوشش کی گئی نہ کسی چیز کو ہتھیانے کی کوشش کی یہاں زمین کا مسئلہ حضرت عمرؓ کے حوالے سے بات ہوئی کہ حضرت عمرؓ نے مسجد نبوی میں بیٹھ کر ان زعماء کو انکار کر دیا تھا ان کے اس مسئلے کو رد کر دیا تھا کہ شام کی زمین ہمارے حوالے کریں کیونکہ ہم نے وہ فتح کی ہے، جو فتح کرتا ہے وہ سٹیٹ لینڈ ہوتی ہے۔ ہم میں بانٹ دیجئے انہوں نے ایک ہی بات کی کہ بھاگ جاؤ۔ زمین اللہ کی مخلوق کی ہے جو وہاں رہتی ہے یہ حقوق میں آپ کو نہیں دے سکتا۔ آپ چاہے میرے ساتھ رہیں یا نہ رہیں یہاں لوگوں کو بیوقوف بنانے کے لئے ہم کیا کیا نہیں کرتے۔

اب جہاں تک بات ہے بیت المال کی قائم کیا گیا تھوڑی سی میں اس پر روشنی ڈالنا چاہوں گا۔ ایک ارب روپے سے اس کا طریقہ کار رکھا گیا کہ فنڈز سے تحفوں سے گفٹ سے مخیر حضرات کے مال سے یہ ہر سال ایک ارب روپیہ پھر دو ارب روپیہ اس کا کیا حشر ہوا، میں I was looking into that very list yesterday I am very lucky میں

نے دیکھا کہ کیا کیا اور کیسے کیسے اور کس کس کون کون سے غرباء و مساکین کے لئے یہ مختص کیا گیا تھا- ایک عورت بیمار اور بیوہ اس کو پانچ ہزار، دوسری غریب بیوہ اس کو پندرہ ہزار، یہ دس ہزار کا فرق کیوں؟ میں اس کی سینکڑوں مثالیں پیش کر سکتا ہوں- یہی عمرؓ بننے کی خواہش اور قوم پر مسلط ہونے کی خواہش جو کہ اسلام کے نام پر تھی، یہی طریقہ کار تھا، اسی وجہ سے یہی وہ اسلامی ریاست بنائی جا رہی تھی اور دوسروں کو کافر اور طعنے اور گالیاں دی جا رہی تھیں اور دی جا رہے ہیں اور دی جاتی رہیں گی-

جناب چیئرمین! ہمیں ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنا پڑے گا کہ یہ مسائل جب عوام پیپلز پارٹی کو حکومت سونپتے ہیں تو کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ اس کے لئے ہمیں سوچنا ہوگا- اس میں وہ لوگ بھی ہیں جو عوامی نہیں ہیں چور دروازے کے ذریعے ایوان اقتدار میں، مجلس شوریٰ کی شکل میں یا دوسرے حوالوں سے قبضہ جما لیتے ہیں- جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آتی ہے تو یہ دروازے بند ہو جاتے ہیں- جو لوگ ، جو آمروں کے ہتھکنڈوں سے پاس ہوئے ہیں، شامل رہے ہیں ان کو کوئی راستہ دکھائی نہیں دیتا کہ اب ہم کیا کریں؟ ان کے پاس ایک خاص قسم کا ذہن پیدا ہو جاتا ہے اور خوف و ہراس ان کے ذہن میں ہوتا ہے بلکہ I will say it has hallucination جو hallucinations ہیں ان طبقات کی، اور ان کا سہارا کیا لیتے ہیں؟ ان نام نہاد علماء سو کرام کا- نام نہاد میں کہتا ہوں علماء سو کو جن کو وہ اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں- ان کو اسلام کے حوالے سے خراب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان مفادات پالنے والے لوگوں کو- اب بات سمجھ میں آتی ہے کہ جب پنجاب میں ہزاروں پلاٹ دیئے گئے اے ایس آئی سے نائب تحصیلدار تک نااہل بھرتی ہوئے اور تین سے پانچ لاکھ روپے میں بھرتی ہوئے اس کو تو کوئی نہیں پوچھتا- ان پر تو کوئی بات نہیں ہوئی اور یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے، یہ کوئی چھپی ہوئی بات نہیں-

میرے اپنے علاقے میں میرے ایک رشتہ دار تھے وہاں کے ایک مولانا عبدالرحمان جو کہ شہباز شریف کے آلہ کار بنے ہوئے تھے آج تک ایک لاکھ روپیہ اس کا لیا ہوا ہے کہ اس کا بیٹا اے ایس آئی بھرتی کرائے گا- ان کے پاس کاغذات موجود ہیں- جناب والا! ان

باتوں میں تو نہیں جاتے اب چمک سے ہر چیز بدل جاتی ہے تو اس ملک میں اللہ کا قہر ہے اور یہ بات جلال الدین نے بھی کہی تھی گھبرا کر جب وہ جا رہا تھا، بغداد میں جا رہا تھا،اس کی آخری تقریر اگر آپ پڑھیں تو 45 سال جہاد کرنے کے بعد اس نے یہی کہا تھا کہ افسوس کہ اس مسلمان، قوم میں ایک کمزوری ہے کہ یہ دولت کی چمک سے اس کا ایمان پگھل جاتا ہے اور اس کی جھنکار سے اس کے کانوں میں اتنی گونج پڑتی ہے کہ اس کو سنائی نہیں دیتا اور اس کی چمک اتنی ہوتی ہے کہ اس کی آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ افسوس میں 45 سال تک گھوڑے کی پیٹھ پر مسلمانوں کے لئے، قوم کے لئے جہاد کرتا رہا لیکن اب میں اس قدرت سے مزید نہیں لڑ سکتا۔ اب اس چمک کا ہمارے پاس کیا علاج ہے؟ پی پی پی کے پاس تو چمک ہے ہی نہیں ہمارے پاس چمک نہیں ہے اب ہم ان کو کیسے مائل اور قائل کریں یہی وہ باتیں ہیں وہ مفاد پرستوں کا ٹولہ ہے اس میں ہر قسم کے افراد ہیں چاہے صحافت میں ہوں صحافت میں بھی، جناب والا! بدبختی ہماری یہ ہے کہ لفافہ بردار دو چار ہیں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: مختصر کریں جناب۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: چار پانچ منٹ اور دے دیں جناب والا! باتیں تو ابھی سننے کی ہیں جناب والا........

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: حافظ حسین احمد آن پوائنٹ آف آرڈر جی۔

حافظ حسین احمد: جناب آپ مجھے اجازت دیں میں اذان دے دوں۔ (اسی دوران حافظ حسین احمد نے اذان ظہر دینی شروع کر دی)

سید اقبال حیدر: جناب والا! اذان ہم سب کے لئے باعث احترام ہے،اس کی ادائیگی اتنی ہی باعث احترام ہے کہ ہم کعبے کی طرف رخ کر کے پڑھیں۔ اس طرح سے اذان پڑھنا بغیر کعبے کے تعین کے بذات خود ایک قابل اعتراض فعل ہے۔ مجھے کسی عالم سے

یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اپنے قبلے اپنی مرضی سے بناتے پھریں گے۔ پتہ نہیں انہوں نے اپنا قبلہ کس طرف بنا لیا ہے اب؟

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جناب انہوں نے اذان کی درخواست کی تو وزیر صاحب نے اذان کی اجازت ان کو از خود دے دی حالانکہ ان کو یہ حق نہیں تھا۔ آپ نے ان کو اجازت دے دی اس کے بغیر کہ یہ تعین کیا جائے کہ وہ کس طرف منہ کریں گے۔ آپ چونکہ کرسی پر موجود نہیں تھے، جو متعلقہ وزیر ہیں۔ میں نے کہا کہ شاید آپ کا ان سے سمجھوتا ہو گیا ہے۔ لیکن اذان کی ادائیگی غلط تھی۔ اذان کے وقت ان کو روکنا بھی مناسب نہیں تھا۔ لیکن ان وزیر صاحب نے ذرا جلدی کی اس سے پہلے کہ سمت کا تعین کر لیا جاتا لیکن آپ نے وہ زحمت نہیں کی۔

(مداخلت)

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: جناب والا! بات یہ ہے اسی ضمن میں ایک دو باتیں، جب پاکستان آزاد ہوا تو ایک صاحب سینما گھر گئے وہاں پر کوئی اچھی فلم لگی ہوئی تھی اور ہاؤس فل تھا۔ وہاں کے بکنگ کلرک نے کہا کہ ہمارے پاس ٹکٹیں ختم ہو چکی ہیں آپ اگلے دن دیکھ لیں تو اس نے فوراً کہا کہ آپ نے تو قائد اعظم کو گالی دے دی ہے۔ اس نے کہا خدا کا خوف کرو ٹکٹیں ختم ہو چکی ہیں۔ ایسی باتیں نہ کرو۔ غلط بات ہے تو اس نے کہا آپ نے تو گالی دے دی ہے۔ وہاں پر کھڑے وہ صاحب جذباتی ہو گئے کہ آپ نے ہمارے قائد کو گالی دے دی ہے۔ ابھی تو پاکستان بنے چند دن ہوئے تھے تو وہ وہاں پر سینما انہوں نے توڑ دیا اور بہت سارے آدمی زخمی ہو گئے۔ اب ہمیں یہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں یہ فتویٰ نہ آجائے کہ جو میں ابھی بات کر رہا تھا تو اس کا ایک مظہر ہوتا کہ جی میں کہتا جی کہ نہیں تو یہ کہتے کہ جی یہ مسلمان نہیں تھا۔ تو ان فتوؤں سے بچنے کے لئے ہمیں مجبوراً یہ مجبوریاں برداشت کرنا پڑتی ہیں میں صحافت کے ضمن میں بات کر رہا تھا......

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: سید فضل آغا صاحب آن پوائنٹ آف آرڈر۔

سید محمد فضل آغا: جناب چیئرمین! چونکہ ابھی حافظ صاحب ان کے حواریوں میں سے ہیں، یہ قبلہ بھی ان کی وجہ سے غلط ہوا پارلیمنٹ میں پہلی دفعہ اذان کی اجازت بھی انہوں نے دی ہے اور پیپلز پارٹی کی وجہ سے ملاؤں کا قبلہ بھی غلط ہوا۔ تو میرے خیال میں یہ سارا قبلہ درست کرانا پڑے گا۔ پیپلز پارٹی کا بھی اور ان کے ساتھیوں کا بھی۔ بہت بہت شکریہ!

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: صحافت جو ہے، جناب چیئرمین، بہت زیادہ ضروری ہے اب یہ ہم کو اس میں تعین کرنا پڑے گا کہ اصل میں بات کیا ہے یہ جو اخبارات ہیں اب یہ ایک انڈسٹری ہو چکی ہے۔ صحافت ایک پیشہ ہے۔ اس میں ہمیں فرق رکھنا پڑے گا اب آپ نے دیکھا ہوگا یہ چیک کے حوالوں سے، ہماری حکومت کے پاس وہ وسائل نہیں ہیں جس کی وجہ سے ہم جسے promote کر سکیں اب انہوں نے وہ promoters رکھے ہوئے ہیں۔ لاکھوں روپے ادا کرتے ہیں۔ لفافوں کی بھرمار ہے ہمارے پاس لفافے کہاں سے آئے یہی ہماری مجبوری ہے۔ یہی ہماری مجبوری 1988 میں تھی یہی اب ہے۔ تو اس کمزوری سے یقیناً ہمیں نقصان ہوگا اور ہو رہا ہے۔

یہاں پر ایک چیز اور میں آپ کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں جناب چیئرمین! یہاں پر ہر ایک آدمی جو اس پیشہ سے منسلک ہے تجارت سے منسلک ہے۔ اس کے اپنے مفادات دوستیاں اور دائرہ کار ہے۔ افسوس کہ اس حوالے سے ہم تمام تجزیئے کرتے ہیں۔ مضامین لکھتے ہیں اور لکھواتے نہیں، اخبارات شائع ہوتی ہیں اور اس کے ساتھ ایک اور نہایت اہم نکتہ کیونکہ اب یہ بہت بڑا کاروبار ہے۔ کاروباری آدمی کا ذہن کاروباری ہوتا ہے اور ہمیشہ مفاد کو دیکھتا ہے۔ نقصانات سے دور بھاگتا ہے۔ اور بھی اگر اخبارات پر چٹ پٹی مفروضوں پر دلائل کے خلاف، حقائق کے خلاف خبریں نہ چھاپی جائیں تو میں یقین سے کہتا ہوں.....

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: بہت وقت ہوگیا ہے آپ نے کافی وقت لے لیا ہے۔ اور میں نے آپ کو کافی وقت دیا ہے۔

ڈاکٹر شیر افگن خان نیازی: تھوڑا وقت اور دے دیں۔ تو یہ اصولی بات ہے جس کی وجہ سے یہ ساری صورت حال پیش کر دی جاتی ہے اور میں ان گزارشات کے ساتھ ورنہ تو بہت ساری باتیں تھیں اگر مجھے اجازت ہو تو ایک چھوٹا سا قصہ بہت خوبصورت سا جو ساری چیز کو cover کرتا ہے سنا دوں۔

ایک مولوی صاحب تھے اس کی بیوی اس سے اکثر ناراض رہتی تھی تو اس نے ایک نیک آدمی سے پوچھا کہ حضور اس کے منانے کا کوئی طریقہ یا نسخہ بھی ہے تو اس آدمی نے کہا میں آپ کو ایک ورد بتاتا ہوں۔ آدمی نے کہا جلدی جلدی بتائیں۔ اس نے بتایا کہ آپ اس سے ہوا میں اڑنا شروع ہو جائیں گے تو وہ اس نے بڑی ریاضت کی۔ وہ ورد اسے حاصل ہوگیا اور اس کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا صلہ دیا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کی بیوی ناراضی رہتی ہے وہ خوش ہو جائے گی۔ وہ اپنے گھر پر کئی دفعہ گھوما اور اس کی بیوی صحن میں بیٹھی دیکھتی رہی خوش ہوتی رہی کہ خدا کا نیک بندہ اڑ رہا ہے تو وہ کچھ دیر بعد نیچے اتر آیا اور اس کے پاس گیا کہ بی بی صاحب آج کوئی نئی چیز دیکھی ہے اس نے کہا حضور میں نے دیکھا کہ ایک شخص بڑی خوبصورتی سے اڑ رہا تھا اور میں‌اس سے بڑی متاثر ہوئی۔ اس آدمی نے کہا وہ تو میں تھا۔ اس نے کہا جا بھڑوے تبھی تم ٹیڑھے ٹیڑھے اڑ رہے تھے۔

جناب والا! یہ وہی بات ہے جب بھی پیپلز پارٹی کی حکومت آتی ہے۔ ہم ہوا میں بھی اڑیں کچھ کریں۔ یہ ہم ان کی رائے میں ٹیڑھے ٹیڑھے ہونگے۔ ہم ان کو کبھی سیدھا نظر نہیں آئیں گے۔ میں اس پر شکریہ ادا کرتا ہوں۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: جی جناب ملک قاسم صاحب ۔

ملک محمد قاسم: جناب یہ کل حکم ہوا تھا کہ میں اور لیڈر آف دی اپوزیشن آپس میں بات کریں۔ عبدالرحیم مندوخیل صاحب نے کل کہا تھا کہ لوکل باڈیز کا معاملہ طے کر لیا جائے تو تمام سینیٹرز صاحبان کو 6 جنوری 1994 کے لئے اطلاع دی گئی لیکن انہوں نے فرمایا کہ جمعرات ہے اور ہمیں گھروں کو جانا ہے وغیرہ وغیرہ تو میں نے لیڈر آف دی اپوزیشن سے بات کئے بغیر یہ فیصلہ کیا کہ 9 جنوری 1994 کو صبح 10 بجے ہم میٹنگ کریں گے اور ان کو ہم بتا دیں گے کہ کس جگہ پر وہ میٹنگ ہوگی۔ جگہ کا جہاں تک تعلق ہے وہ ابھی وزیر قانون کہہ رہے تھے لا منسٹری سے بات کر کے اگر وہاں پر ہوا تو وہاں کریں گے اور پارلیمنٹ میں فیصلہ ہوا تو کمیٹی نمبر 1 میں ....

(مداخلت)

سید اقبال حیدر: بات چل رہی ہے لیکن وہاں پر مشکل ہوگا منسٹری کے دفتر میں سارا ریکارڈ موجود ہے اور یہ وہیں ممکن ہو سکے گا۔

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: دیکھیں یہ آپس میں کیا co-ordination کرتے ہیں۔

ملک محمد قاسم : وہ اس لئے نہیں کر رہے وہ ایسے نہیں کر رہے ہیں وہ ایسے کر رہے ہیں ......

Mr. Presiding Officer: Please, Mr. Qasim, address the Chair and most appropriate thing is to consult your Ministry before making a formal statement.

Malik Muhammad Qasim: Sir, I have consulted and I am saying that....

Mr. Presiding Officer: So, let us be a bit serious and formal about these matters because it is a very serious matter, Rural Development Programme has been suspended.

Malik Muhammad Qasim: I totally agree with you. I have said that we have fixed time at 10.00 o'clock, we have fixed the date that is 9th January, 1994, as far as the place is concerned I will talk to the Ministry concerned.The Law Minister was telling me that because all officials are involved, some record is involved, therefore, it may be better to have the meeting in the Ministry but I keep the desire of the Senators into consideration, I will talk to them that it should be held in the Senate but if the record is too much or anything like that, then I will inform them.

Mr. Presiding Officer: I say that there will be no..

Malik Muhammad Qasim: Kindly listen to me, let me finish first, I have not said that it has been decided, I am just saying that I am giving the time, I am giving the date, we had decided and I consulted the Ministry and let them know, but if interruptions take place....

Mr. Presiding Officer: So, you have no treatment after wards.

Malik Muhammad Qasim: I have given the date, I have given the time and as far as the place is concerned I will give it tomorrow after having consultation with the Minister.

Mr. Presiding Officer: So take care of it. You will announce the place which is very important because Members should have known where to come for the meeting.

سید محمد فضل آغا: آن پوائنٹ آف آرڈر پر میری گزارش یہ تھی کہ پارلیمنٹ اور اس کے کمیٹی رومز اسی لئے ہیں کہ پارلیمنٹیرینز سے concerned جتنی بھی meetings ہوں وہ پارلیمنٹ میں ہوں منسٹری کا سٹاف یا اس کا ریکارڈ یا دستاویزات وغیرہ اتنی بڑی چیزیں involve نہیں ہیں انہوں نے صرف پارلیمنٹیرینز کو یہ چیزیں کلیئر کرکے دینی ہیں کہ 1992-93 کے فنڈز کی کیا پوزیشن ہے جن سینیٹروں کے فنڈز during election روکے گئے تھے انکی کیا پوزیشن ہے۔ 1993-94 میں allocations کی کیا پوزیشن ہے تو اس میں ریکارڈ وغیرہ کی کوئی زیادہ involvement نہیں ہے۔

and, I think, if the venue is changed it will be a disgrace to the Parliament. I insist that the meeting should be held in the Parliament.

جناب پریذائیڈنگ آفیسر: وزیر قانون صاحب آپ یہ consideration میں رکھیں جب آپ venue کا فیصلہ کریں کیونکہ

it is a matter concerning the Senate.Please keep this factor in mind while deciding the venue of the meeting.

Syed Iqbal Haider: Sir, this is nothing new, briefing have been given by several Ministers at different places. I remember last year there was a briefing by WAPDA. It is only for the convenience of the Members that briefing are kept in the Ministries because all the facilities, all the records and each and every officer is present there and they can be called at a second notice's if there is anything missing. The Foreign Office does its briefing at the Foreign Office. I remember briefing about privatization had taken place in the Finance Ministry; briefing about WAPDA had taken place in the WAPDA Ministry.

Mr. Presiding Officer: I have a suggestion to put before the House.

کہ لیڈر آف دی ہاؤس اور لیڈر آف دی اپوزیشن اس بارے میں بیٹھ کر فیصلہ کر لیں۔

I think that will be appropriate.

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: یہ صحیح بات ہے کہ کہاں میٹنگ ہو۔ جہاں parliamentarians کے لئے convenient ہو۔ لیکن لاء منسٹر صاحب جو ہیں وہ سر پر کے مار رہے تھے کہ جو ہم لوگوں کی بات ہوئی تھی یہ میں نے دیکھا۔ بہرہ ور سعید صاحب آپ کو اتنا حساس نہیں ہونا چاہیئے۔

(مداخلت)

جناب عبدالرحیم خان مندوخیل: جناب چیئرمین! لیڈر آف دی ہاؤس نے جو نکتہ رکھا بہت اچھے انداز میں - ہم جو ہیں آپس میں co-opration کریں گے کوئی ایسا مسئلہ نہیں لیکن جب ہم نے پارلیمنٹ میں کمیٹی روم کی بات کی اور وزیر صاحب کی بات کی تو انہوں

نے فائل نہیں کی۔ وزیر صاحب برعکس اس کے لوگ بڑے پریشان ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ آپ کے لئے صحیح نہیں ہوگا ورنہ ہم جو ہیں ......

(مداخلت)

جناب پریذائیڈنگ آفیسر : یہ معاملہ ہوگیا ہے جی۔ لیڈر آف دی ہاؤس صاحب اور لیڈر آف دی اپوزیشن آپس میں طے کر لیں گے کہ کہاں کریں گے۔

So that is the clear. Now I adjourn the House until tomorrow on 4th January, 1994 to meet at 10.a.m

----

[The House adjourned to meet again at ten of the clock in the morning on Tuesday, Janaury 4, 1994].

PCPPI—391 (96) Senate—14-3-96—180.